www.KitaboSunnat.com

حکما کی رائے:

دواخانہ حکیم اجمل خان کے ریٹائرڈ یافتہ، مستند اور پرانے حکیم ماشاء اللہ خان کا کہنا ہے کہ موجودہ دور کے فزیشن اور سرجن کی طرح پرانے ادوار میں بھی حکیم اور جراح الگ الگ کام کرتے رہے ہیں۔ حکماء کا تعلق بیماریوں اور جراح کا تعلق انسانی جسم پر لگے ہوئے زخموں اور ہڈیوں سے تھا۔ یعنی حکیم اب فزیشن کہلاتا ہے اور جراح اب سرجن کہلاتا ہے۔ پرانے زمانے میں بھی اس وقت کے طریقہ کار کے مطابق بعض حالات میں پوسٹمارٹم کرالیا جاتا تھا۔ مغلوں کے دور میں بھی اگر زہرخوانی کا شبہ ہوتا تھا تو پیٹ چاک کر کے متعلقہ اعضاء کا معائنہ کیا جاتا تھا مگر ایسا خاص طور پر اور خواص کی سطح پر ہوتا تھا عموماً ایسا نہیں ہوتا تھا۔ اسی طرح فیروز الدین کے زمانے میں نورالدین جراح نے خاصی شہرت پائی، وہ پیٹ چاک کر کے وجۂ موت معلوم کر لیتا تھا۔ اب اس شعبے میں خاصی ترقی ہوئی ہے۔ (۱)

قانون دان کیا کہتے ہیں؟

ماہر قانون دان مظہر سجاد شیخ ایڈووکیٹ نے اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ غیر طبعی موت کے حوالے سے پوسٹمارٹم رپورٹ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ دفعہ ۱۷۴ کے تحت جب کسی افسر انچارج پولیس اسٹیشن یا کسی دیگر پولیس افسر کو جسے صوبائی گورنمنٹ کی طرف سے اس بارے میں خاص طور پر اختیار دیا گیا ہو، اطلاع ملے کہ کوئی شخص:

۱۔ خودکشی کا مرتکب ہوا ہے۔

۲۔ کسی دوسرے کے ہاتھوں یا کسی جانور یا مشینری یا کسی حادثہ سے ہلاک ہوگیا ہے۔

۳۔ ایسے حالات میں مرگیا ہے کہ جن سے اس امر کا معقول شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی اور شخص نے ارتکاب جرم کیا ہے۔

(۱) [فیملی میگزین (یکم تا ۷ دسمبر ۲۰۰۲ء ص ۲۱)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پولیس افسر اس بات کی اطلاع علاقہ مجسٹریٹ کو دیگا اور دو معزز باشندگان کے روبرو ابتدائی تفتیش کرنے کے بعد موت کے ظاہری اسباب کی رپورٹ مرتب کرے گا۔ رپورٹ میں ایسے زخموں، ہڈیوں کے ٹوٹنے اور خراشوں اور دیگر نشاناتِ ضرب جو بدن پر پائے جائیں کا جائزہ لینے کے بعد لکھے گا کہ کس طرح آلہ یا ہتھیار سے یہ نشانات (زخم) لگائے گئے ہیں۔

تفتیشی افسر جب لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے بھجواتا ہے تو پوسٹمارٹم ٹیم کو اپنی رپورٹ سے آگاہ کرتا ہے اور ڈاکٹرز اس رپورٹ کی روشنی میں پوسٹ مارٹم کرتے ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر تفتیش کی ابتدائی رپورٹ اور پوسٹمارٹم میں فرق ہو تو مقدمے پر خاص اثر پڑتا ہے اور اس کا تمام تر فائدہ مجرم پارٹی کو ہوتا ہے۔ ایسا بھی ہوا کہ ابتدائی تفتیش اور پوسٹمارٹم رپورٹ میں تضاد کی وجہ سے ملزمان 'باعزت بری' ہوگئے۔ تفتیش کی ابتدائی رپورٹ خاص اہمیت رکھتی ہے۔ پوسٹمارٹم سے جہاں قانون کو بڑی مدد مل رہی ہے وہاں بعض اوقات بے شمار پیچیدگیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثبت نتائج حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس شعبے میں خاص طور پر توجہ دی جائے اور موجود خامیاں دور کی جائیں۔ (۱)

(۱) [فیملی میگزین (یکم تا ۷ دسمبر ۲۰۰۲ء ص ۲۱)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب : ۳

معیشت واقتصاد

ملٹی لیول مارکیٹنگ (MLM) کی شرعی حیثیت

حصص کے کاروبار کی شرعی حیثیت

اسلام کا نظام زکاۃ اور جدید مسائل

عرب وعجم کے ممتاز علماء کے فتاوی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فصل : ۱

ملٹی لیول مارکیٹنگ (MLM) سکیمیں اور ان کے کاروبار کی شرعی حیثیت

عصر حاضر میں ملٹی لیول مارکیٹنگ سسٹم کے تحت دنیا بھر میں کئی ایک تجارتی سکیمیں کام کر رہی ہیں اگرچہ جزوی طور پر ان مختلف سکیموں کی شرائط کمیشن وغیرہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن مجموعی طور پر ان سب میں جو چیز مشترک طور پر پائی جاتی ہے، وہ ان کا ملٹی لیول مارکیٹنگ طریقۂ کار ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہم ان کے ملٹی لیول طریقۂ کار کو واضح کر دیں۔

کہا جاتا ہے کہ ملٹی لیول مارکیٹنگ کا یہ طریقۂ کار دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ کے ہارورڈ بزنس سکول (HarvardBusinessSchool) نے متعارف کروایا تھا اور اب یہ دنیا کے ۵۰ سے زائد ممالک میں مختلف شکلوں میں کامیابی سے چل رہا ہے۔ اور پاکستان میں یہ طریقہ کار ''گولڈن کی انٹرنیشنل'' کے صدر جناب جاوید مجید نے متعارف کروایا ہے۔ (۱)

ملٹی لیول طریقۂ کار اور اس کی حرمت کی بنیادی وجہ

ملٹی لیول مارکیٹنگ کی مختلف سکیموں میں قدر مشترک کے طور پر پائی جانے والی جو چیز محل نظر ہے، وہ یہ ہے کہ ان میں جو کمیشن ممبروں کو دی جاتی ہے وہ ان کی براہ راست محنت کے عوض نہیں ہوتی بلکہ ایک خاص اسٹیج پر پہنچ کر پہلے ممبروں کو بھی نئے ممبروں کی محنت کے منافع میں شریک کر لیا جاتا ہے۔ حالانکہ جس حلال کام پر انسان کی محنت نہیں

(۱) [دیکھیے : Golden Key International (p.7)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی وہ اس کی کمیشن (معاوضہ) کا کسی طرح بھی حقدار نہیں بنتا۔لیکن مختلف حیلوں بہانوں کی بنیاد پر اسے حقدار بنانے والے بھی موجود ہیں ۔مذکورہ طریقۂ کار کی حرمت اور اس ضمن میں پیش کیے جانے والے دلائل کی حقیقت پر تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں ''گولڈن کی، کی شرعی حیثیت'' کے تحت سپرد قلم کردی گئی ہے۔

(1) 'گولڈن کی' نامی تجارتی سکیم

'گولڈن کی' کے بقول ملٹی لیول مارکیٹنگ کا طریقہ کار انہوں نے پہلی مرتبہ پاکستان میں متعارف کروایا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اسی کمپنی کے طریق کار اور اس کی شرعی حیثیت پر بحث کی جائے۔

'گولڈن کی' نامی تجارتی سکیم پاکستان میں ۲۰۰۲ء کے لگ بھگ شروع ہوئی۔ پہلے پہل اس کا دفتر صرف کراچی میں تھا مگر جلد ہی کامیابی کی وجہ سے پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں اس کے دفاتر قائم ہو چکے ہیں ۔'گولڈن کی' کے ملٹی لیول مارکیٹنگ کا جو طریقہ کار ان کے دفاتر میں ہونے والی تعارفی کلاسوں میں بتایا جاتا ہے اور جو ان کے لٹریچر (مثلاً Marketing Plan وغیرہ) میں بھی تحریر ہے، وہ بڑا پیچیدہ اور گنجلک ہے جسے اکثر لوگ سمجھ ہی نہیں پاتے ،تاہم راقم آئندہ سطور میں اس طریقۂ کار کو آسان اور قابل فہم بنا کر بالتفصیل پیش کر رہا ہے۔

'گولڈن کی' بنیادی طور پر ایک تجارتی کمپنی ہے اور یہ چند ایک خاص چیزیں مہنگے داموں فروخت کرتی ہے۔اس لیے اس کمپنی کے ممبر بننے کے لیے کم از کم ۳۰۰۰ روپے کی وہ اشیاء خریدنا از بس ضروری ہے جو کمپنی نے مہیا کر رکھی ہیں ۔اس کے علاوہ کمپنی کا ممبر بننے کے لیے کمپنی کا کارڈ حاصل کرنا بھی ضروری ہے ۔یاد رہے کہ اس کارڈ کے عوض ہر ممبر سے ۱۵۰۰ روپے وصول کیے جاتے ہیں گویا ۴۵۰۰ روپے خرچ کر کے ہی کوئی شخص اس کمپنی کا ممبر بنتا ہے اور پھر اسے اپنی ہی اس رقم کے عوض ۵ فیصد رقم بطور کمیشن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واپس دے دی جاتی ہے۔اس کے بعد یہ ممبر اگر مزید ممبر بھرتی کرواتا ہے تو اسے ان نئے ممبرز تیار کرنے کی بنیاد پر کچھ نمبر دیئے جاتے ہیں جنہیں بزنس والیم (B.V) کہا جاتا ہے۔مگر کمیشن ایک خاص سٹیج پر پہنچ کر دیا جاتا ہے اس سے پہلے نہیں۔

یاد رہے کہ ہر نئے ممبر کے عوض پہلے ممبر کو ۳۳۰۰ نمبر دیئے جاتے ہیں بشرطیکہ نیا ممبر پہلے ممبر کی بلاواسطہ یا بالواسطہ محنت سے ممبر بنا ہو۔بلاواسطہ کا معنی یہ ہے کہ نیا ممبر پہلے ممبر کی براہ راست محنت سے تیار ہوا ہو اور بالواسطہ کا معنی یہ ہے نیا ممبر جس شخص کی محنت سے ممبر بنا ہے وہ بذات خود کسی اور کی محنت سے ممبر بنا ہو مثلاً B کی محنت سے C نے ممبر شپ حاصل کی جبکہ B جس کی محنت سے ممبر بنا وہ A تھا تو گویا جو نیا ممبر بنا اس میں بالواسطہ A کی محنت شامل ہے۔

گویا ایک ممبر کے توسط سے آگے جتنے ممبر بنتے جائیں گے ان میں سے ہر ایک کے عوض پہلے ممبر کو ۳۳۰۰ نمبر (B.V) دیئے جاتے ہیں پھر جب ایک ممبر کے نمبر یعنی بزنس والیم ۱۰،۰۰۰ سے تجاوز کر جائیں تو اسے ممبر کی بجائے سپروائزر (S) کا عہدہ دیا جاتا ہے اور اس کے توسط سے آنے والے ہر نئے ممبر کی اُس رقم سے ۱۵ فیصد کمیشن اسے دیا جاتا ہے جس رقم سے اس نئے ممبر نے کمپنی کی چیزیں خریدیں ہیں۔لیکن یہ کمیشن بھی کڑی شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔پھر جب اس کے توسط سے آنے والے ممبروں کی تعداد بڑھتی چلی جاتی ہے اور اس کے عوض اس شخص جو سپروائزر قرار دیا گیا ہے، کا بزنس والیم ۶۰،۰۰۰ تک پہنچ جاتا ہے تو اسے منیجر (M.N) کا عہدہ دیا جاتا ہے اور اس کے توسط سے آنے والے نئے ممبر کے عوض اسے ۵۲ فیصد کمیشن دیا جاتا ہے پھر اگر پہلے شخص کا بزنس والیم ۲،۴۰،۰۰۰ ہو جائے تو اسے ڈائریکٹر (D.i) کا عہدہ دے کر اس کے توسط سے آنے والے ہر ممبر کی صَرف کردہ رقم سے کمیشن دیا جاتا ہے بشرطیکہ اس سے نیچے اس کے توسط سے دو منیجر موجود ہوں۔اسی طرح جب B.V ۲۰،۰۰،۰۰۰ تک پہنچ جائے تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس شخص کو ایگزیکٹو ڈائریکٹر (EX.D) کا عہدہ دے کر ۴۳ فیصد کمیشن دیا جاتا ہے بشرطیکہ اس سے نیچے اس کے توسط سے چھ الگ الگ ڈائریکٹر موجود ہوں۔

یہ تو تھا ممبر بھرتی کرنے اور اس پر کمیشن مقرر کرنے کا وہ طریقہ جو کمپنی کی طرف سے شائع کردہ لٹریچر میں ذکر کیا گیا ہے یا پھر کمپنی کے دفاتر میں ہونے والی ابتدائی کلاسوں میں ان کے مقرر کردہ نمائندے اپنے لیکچرز میں بیان کرتے ہیں جبکہ عملی وواقعاتی طور پر یہ سب کچھ کس انداز اور کن شرائط کے ساتھ ہوتا ہے اس کی وضاحت ہم ان لوگوں پر اعتماد کرتے ہوئے بیان کریں گے جنہوں نے کمپنی کی باقاعدہ ممبر شپ سے کام شروع کیا مگر جلد یا بدیر کمپنی کے طریقہ واردات کو سمجھ کر یا اسے ازروئے شریعت ناجائز سمجھتے ہوئے اس سے الگ ہوگئے اور ویسے بھی کسی بحال ممبر کو اصلی صورتحال بتانے کی کمپنی کی طرف سے اجازت نہیں ہوتی بلکہ کمپنی کی طرف سے تمام ممبران کو پابند کیا جاتا ہے کہ وہ نئے لوگوں کو بغیر تفصیلات بتائے کمپنی میں لے آئیں پھر کمپنی کی طرف سے روزانہ جاری رہنے والی تعارفی کلاسوں میں کمپنی کے ٹریننگ یافتہ لیکچرار مخصوص انداز میں ان لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بہرکیف اب ہم ملٹی لیول مارکیٹنگ کی اس سکیم میں درپردہ جو کچھ ہوتا ہے یا اس میں شمولیت کے ایک عرصہ بعد جو کچھ سمجھ میں آتا ہے، وہ آپ کے سامنے ذکر کرتے ہیں۔

'گولڈن کی' بنیادی طور پر کچھ چیزیں فروخت کرتی ہے، یہ چیزیں اگرچہ بڑی حد تک معیاری ہیں مگر ان کی جو قیمت فروخت گولڈن کی نے مقرر کر رکھی ہے وہ اصل قیمت کے مقابلہ میں کم از کم دوگنی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ چیزیں پاکستان میں صرف 'گولڈن کی' ہی درآمد کر رہی ہے۔

اسی طرح گولڈن کی کی طرف سے پیش کی جانے والی بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ان کی قیمت فروخت اس نوعیت کی دیگر چیزوں کے قریب تر ہے۔ لیکن ان چیزوں کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فروخت سے بھی گولڈن کی کافی بچت کر لیتی ہے کیونکہ گولڈن کی براہ راست ان چیزوں کو فروخت کرتی ہے۔اور انہیں فروخت کرنے کے لیے گولڈن کی کو ایسے پروسیجر سے گزرنا نہیں پڑتا جس سے بالعموم دیگر کمپنیوں کو لازماً گزرنا پڑتا ہے اور کوئی چیز جتنے لمبے پروسیجر اور جتنے زیادہ ہاتھوں سے گزرتی ہے وہ اتنی ہی مہنگی ہوتی چلی جاتی ہے مگر گولڈن کی اول تو براہ راست اپنی درآمد کردہ اشیاء فروخت کرتی ہے اور پھر اس پر حکومت پاکستان کو جو ٹیکس دینا ہوتا ہے، گولڈن کی اسے اپنے ممبرز کے کمیشن سے کاٹ کر حکومت کو ادا کر دیتی ہے!

گولڈن کی جن چیزوں کو فروخت کر رہی ہے ان کی قیمتیں ایک ہزار سے شروع ہو کر تیس ہزار تک پہنچ جاتی ہیں۔ کمپنی کی یہ اشیاء صرف وہی خرید سکتا ہے جو کمپنی کا ممبر ہے اگر کوئی شخص کمپنی کا ممبر بن کر کمپنی کی چیزیں بکوانے کے لیے نئے ممبر بھرتی کروانے کا کام نہیں کرنا چاہتا تو تب بھی اسے کمپنی کی کسی چیز جو کم از کم ۳۰۰۰ روپے کی لاگت تک ہو، خرید کر اور ۱۵۰۰ روپے اضافی دے کر کمپنی کا ممبر شپ کارڈ لازماً لینا ہوگا۔

سب سے پہلے ۳۰۰۰ روپے کی اشیاء خریدنا اور اس کے ساتھ ۱۵۰۰ روپے اضافی جمع کروا کر ممبر شپ کارڈ لینا ضروری ہے۔ ۳۰۰۰ روپے کے عوض ممبر کو ۱۸۰۰ نمبر بزنس والیم کے طور پر شروع ہی میں دے دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح کارڈ کے عوض جو ۱۵۰۰ روپے لیے جاتے ہیں، ان کے عوض بھی ۱۵۰۰ نمبر دیئے جاتے ہیں، گویا اس طرح ہر ممبر کے شروع ہی سے ۳۳۰۰ نمبر بن جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس ۳۳۰۰ میں سے ۵ فیصد یعنی ۱۶۵ روپے اسی ممبر کو یہ کہہ کر واپس بھی کر دیئے جاتے ہیں کہ یہ آپ کا کمیشن ہے، اسی طرح ہر نئے ممبر کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ پھر جب ایک ممبر دو اور نئے ممبر بھرتی کرواتا ہے تو اس کی محنت پر اسے کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا البتہ ہر ممبر کے عوض ۳۳۰۰ مزید نمبر دیئے جاتے ہیں مثلاً:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

M(A)=3300 B.V=3300

9900= M(D)B.V=•3300+M(B)B.V=3300 +M(C)B.V=3300

اب پہلے ممبر A کے ۳۳۰۰ نمبر بھی اس میں جمع کیے جائیں تو یہ ۱۳۲۰۰ نمبر بنتے ہیں چونکہ اب اس کے نمبر ۱۰۰۰۰ سے تجاوز کر چکے ہیں اس لیے اب اسے ممبر کی بجائے S.V بننے سے پہلے ممبر کی جو ۵ فیصد کمیشن مقرر کی گئی تھی وہ اسے ممبر بنتے وقت اپنی ہی رقم سے مہیا کر کے تو دی گئی ہے مگر ہر نئے ممبر کے عوض نہیں دی جاتی اور یہ دھوکہ یہ کہہ کر دیا جاتا ہے کہ جہاں ممبر لیول کے مختلف لوگ جمع ہوں وہاں کسی کو بھی کمیشن نہیں ملے گی D کے ممبر بننے کے بعد A کا بزنس والیم چونکہ ۱۰۰۰۰ سے آگے نکل چکا ہے اس لیے اسے S.V کی طے کردہ کمیشن یعنی ۱۵ فیصد دی جائے گی اور وہ بھی اس طرح کہ ۱۵ فیصد میں سے ۵ فیصد منہا کر کے باقی ۱۰ فیصد کمیشن دی جائے گی اور یہ ۱۰ فیصد کمیشن نئے ممبر کے ۳۳۰۰ نمبر کے حساب سے دی جائے گی پہلے ممبر A کے حاصل کردہ نمبرز D کے حساب سے نہیں یعنی ۳۳۰۰ روپے کے حساب سے ۳۳۰ روپے کمیشن دی جائے گی اور یہ ۳۳۰ روپے بھی اس وقت ہی مل سکتے ہیں جب پہلا ممبر کم از کم ۳ ممبر مزید بنا چکا ہو۔ اس طرح گزشتہ مثال آگے چل کر جو صورت اختیار کر لیتی ہے اسے آپ یوں سمجھیں۔

ممبر A نے جب پہلے تین ممبر جمع کر لیے تو اس کا بزنس والیم ۱۰،۰۰۰ سے بڑھ گیا اور اسے S.V کا درجہ مل گیا اب S.V کے بعد آگے جتنے مزید ممبر اس کی چین میں داخل ہوں گے ان کے ۳۳۰۰ میں سے ۱۰ فیصد S.V کو ملے گا۔ لیکن اگلا ممبر نئے ممبر بنا کر S.V کا درجہ حاصل کر چکا ہو یا ۱۴۰۰۰ روپے کی خریداری کر کے براہ راست S.V کا درجہ حاصل کر چکا ہو تو پہلے S.V کو اس میں سے کوئی کمیشن نہیں ملے گا کیونکہ کمپنی کا اصول ہے کہ ایک ہی لیول کے دو افراد ایک دوسرے کی کمیشن وصول نہیں کر سکتے۔ پھر نئے S.V نے آگے مزید ممبر بنائے اور ان میں مزید S.V بھی شامل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگئے تو اب ان سے آگے بننے والے ممبر کی کمیشن صرف اس S.V کو ملے گی جو نئے ممبر سے قریب تر ہے اور دور والے S.V کو محروم کردیا جائے گا۔البتہ اگر پہلے سے موجود S.V کا بزنس والیم مینجر یا ڈائیریکٹر کے درجہ کو پہنچ جائے تو پھر اسے طے کردہ کمیشن کے مطابق ہر نئے ممبر کی خریداری پر کمیشن ملے گی اور یہ بھی کچھ شرائط کے ساتھ۔

گویا بظاہر یہ آسان اور بہت زیادہ منافع بخش بنا کر دکھایا جاتا ہے لیکن فی الواقع یہ انتہائی مشکل ہے اور مالی اعتبار سے اس کا صحیح فائدہ صرف اسے ہی حاصل ہوسکتا ہے جو شروع ہی میں کمپنی کا ممبر بن کر سرگرم ہوجائے اور اس کا آگے نئے ممبروں کا نیٹ ورک بڑھتا چلا جائے اور نیٹ ورک بڑھانے کے لئے جھوٹ بول کر اور سبز باغ دکھا کر دوسرے لوگوں کو پھنسایا جاتا ہے تاکہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کسی طرح سے (کم از کم) ۴۵۰۰ روپے کی خریداری کرکے ممبر بنیں اور پہلے ممبر کا نیٹ ورک ترقی کرے لیکن اگر نئے ممبر کسی طرح سے اس کے دام تزویر میں نہ آسکیں یا ممبر بننے کے بعد وہ کسی وجہ سے کنارہ کش ہوجائیں تو پہلے سے موجود ممبروں کو کمپنی کی طرف سے کوئی مالی فائدہ حاصل نہیں ہوگا کیونکہ کمپنی یہ کمیشن تب دے گی جب اسے فائدہ ہوا ہو۔گویا کمپنی اصل میں اپنے فائدے کو ترجیح دیتی ہے اور اتنی ترجیح دیتی ہے کہ جب تک پہلا ممبر تین ممبر نہ بنالے اسے کسی طرح کا کمیشن نہیں دیا جاتا!

'گولڈن کی' کی تجارتی سکیم کی شرعی حیثیت:

مذکورہ کمپنی کے طریقہ کار کے بہت سے پہلو قابل غور ہیں لیکن ان میں دو پہلو خاص طور پر محل نظر ہیں: ایک تو یہ ہے کہ کمپنی جب کوئی چیز فروخت کرتی ہے تو وہ اس کی جتنی چاہے قیمت وصول کرلے، یہ الگ بات ہے اور اس کے جواز یا عدم جواز میں بحث کی گنجائش ہے مگر قیمت خریداری سے ہٹ کر ۱۵۰۰ روپے کی وہ اضافی رقم جو کمپنی اپنا کارڈ جاری کرنے کے نام پر ہر ممبر سے وصول کرتی ہے یہ کس بنیاد پر وصول کی جاتی ہے؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر کمپنی یہ کہے کہ یہ ممبر شپ کے کاغذات ہیں تو یہ صریح جھوٹ ہے کیونکہ اس کا سادہ کارڈ ۱۵ روپے میں بآسانی بن سکتا ہے پھر ۱۵۰۰ روپے کیوں وصول کیے جاتے ہیں؟

اگر کمپنی یہ کہے کہ اس رقم کے عوض کارڈ ہولڈر کو چند سہولیات فراہم کی جاتی ہیں تو یہ بات ایک لحاظ سے درست ہے مگر سوال یہ ہے کہ کوئی شخص یہ سہولیات نہ لینا چاہے اور فی الواقع اکثر لوگ یہ سہولیات نہیں لینا چاہتے تو پھر بھی ان سے اتنی رقم جبری طور پر لینا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ بلکہ یہ ایک باطل حربہ ہے اور ایسے ہی حربوں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ولا تاکلو اموالکم بینکم بالباطل﴾[البقرة.۱۸۸]

''اور ایک دوسرے کا مال ناحق طریقوں سے نہ کھاؤ''

اگر کمپنی کہے کہ اتنی رقم کے عوض ہم ممبر کو کمپنی کے کاروبار میں شریک کر لیتے ہیں تو یہ بھی غلط بیانی ہے اور وہ اس لیے کہ اگر ۱۵۰۰ کی یہ رقم شراکت کی بنیاد پر لی گئی ہے تو اسے کمپنی کی مصنوعات کی تیاری اور خرید وفروخت کے پروسیجر میں داخل کر کے نفع ونقصان میں معروف ضابطوں کے مطابق تقسیم کرنا چاہئے لیکن اس رقم کا ممبر کو کوئی حساب نہیں دیا جاتا۔

اگر کمپنی یہ کہے کہ یہ ہماری شرط ہے کہ نئے ممبر لانے پر کمیشن تب دیا جائے گا جب پہلے ممبر نے ۱۵۰۰ روپے جمع کروائے ہوں تو پھر یہ صورت جوئے کی ہے اور وہ اس طرح کہ اگر نئے ممبر بنانے میں پہلا ممبر کامیاب ہوجائے تو اسے خاص اسٹیج پر نفع دیا جاتا ہے اور یہ زیادہ ممبروں کی صورت میں بہت زیادہ بھی ہوسکتا ہے لیکن اگر اس کی چین میں دو سے زیادہ ممبر جمع نہ ہوسکیں تو اسے اپنی اس رقم سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔

(۲) اس طریقہ کار میں دوسرا پہلو یہ محل نظر ہے کہ پہلے ممبر کو بنیادی طور پر دو ممبر بھرتی کروانا ہوتے ہیں اس کے بعد اگر یہ چاہے تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر گھر میں بیٹھا رہے اور اس کے بھرتی کئے ممبر آگے نئے ممبر تیار کرتے رہیں گے۔ اسی طرح اگر یہ سلسلہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کامیابی سے چل پڑے تو وہ پہلا ممبر ان نئے ممبروں کے عوض کمیشن وصول کرتا رہے گا حالانا کہ پہلے دونوں ممبروں کے علاوہ اگلے ممبروں پر اس نے کوئی محنت نہیں کی۔ یہ الگ بات ہے کہ اگلے ممبر جن لوگوں کے توسط سے آئے ہیں ان کو اس شخص نے محنت کر کے ممبر بنایا تھا مزید وضاحت کے لیے اسے مثال سے سمجھیے:

مثلاً A ممبر نے دو ممبر B، C تیار کیے۔ پھر B اور C نے آگے دو، دو ممبر (FG,DE) تیار کیے۔ پھر انہوں نے آگے دو دو ممبر تیار کیے اب اگر یہ کیا جاتا کہ A نے جو دو ممبر، B,C بنائے، اس کے عوض A کو کمیشن دیا جاتا پھر B نے آگے جو دو ممبر (DE) بنائے ان کا کمیشن صرف B کو دیا جاتا، A کو نہیں۔ اسی طرح C نے آگے جو دو ممبر بنائے ان کا کمیشن صرف C ہی کو دیا جاتا تو تب یہ کمیشن جائز تھا اور اس کی صورت دلالی کی جائز صورت کی طرح یہ بنتی ہے کہ محنت کے عوض طے شدہ کمیشن محنت کرنے والے کو مل جاتی ہے لیکن یہاں صورتحال الٹ ہے یعنی ایک ممبر جب اگلے دو ممبروں پر براہ راست محنت کرتا ہے اس کا معاوضہ اسے نہیں دیا جاتا اور ایک خاص سٹیج پر جا کر جن ممبروں کے عوض اسے کمیشن دی جاتی ہے ان پر اس نے محنت کی ہی نہیں ہوتی۔ اس لیے ان کے بدلے کمیشن لینا جائز نہیں اور جہاں کمیشن بنتی ہے وہاں کمپنی یہ کمیشن دے ہی نہیں رہی!

یہاں کمپنی کی طرف سے یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ B اور C نے جو ممبر بنائے ہیں آخر وہ A ہی کی محنت بنتی ہے یعنی اگر A محنت نہ کرتا اور B اور C کو ممبر نہ بناتا تو آگے ممبروں کا سلسلہ کیسے چلتا۔ پھر اسے مستند بنانے کے لیے وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں ہے کہ..... "جس شخص نے کسی کی اچھے کام میں راہنمائی کی اسے اس کا ثواب ملے گا اور اگلا شخص اس خیر پر جو عمل کرے گا (اس کے ثواب کے علاوہ) اضافی طور پر پہلے شخص (جس نے خیر کے کام کی ترغیب دلائی تھی) کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ اسی طرح وہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگلا شخص جتنے لوگوں کو اس خیر کے کام پر لگائے گا ان سب کا اضافی ثواب پہلے شخص کو بھی ملتا رہے گا اس لیے کہ پہلا شخص ہی اس کار خیر کا ذریعہ بنا ہے۔ بعض روایات کے مطابق برے کاموں پر گناہ بھی اسی انداز میں لوگوں کے اعمال ناموں میں ڈالا جاتا ہے....."

احادیث کے حوالہ سے گناہ اور ثواب کی مذکورہ بالا جو تقسیم ذکر کی گئی ہے وہ یقیناً درست ہے مگر مسئلہ یہ ہے کہ اس تقسیم کا تعلق گناہ اور ثواب کے ساتھ ہے دنیاوی حقوق وفرائض کے ساتھ نہیں۔ اگر دنیاوی معاملات اور باہمی حقوق وفرائض کے ساتھ بھی اس کا تعلق جوڑ دیا جائے تو پھر دنیا کا سارا نظام ہی تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی بے گناہ کو قتل کر دے تو اس کے عوض اسے بھی اور اس کے والدین کو بھی قتل کرنا چاہئے کیونکہ اگر یہ پیدا نہ ہوتا تو اس قتل کا ارتکاب نہ ہوتا اور اس کی پیدائش کے ذمہ دار چونکہ والدین ہیں اس لیے وہ بھی واجب القتل ہونے چاہییں بلکہ اس سے بھی آگے ان کے والدین پھر اوپر ان کے والدین وغیرہ سبھی قتل کے مستحق قرار دینے چاہییں!!

اسی طرح کمپنی کی طرف سے ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ کسی بھی ادارے اور فیکٹری میں عام ملازم اور خاص ملازم کا فرق ہوتا ہے مثلاً عام مزدور جو زیادہ مشقت کا کام کرتا ہے اس کی تنخواہ کے مقابلہ میں ایک انجینئر، سپروائزر وغیرہ کی تنخواہ کئی گناہ زیادہ ہوتی ہے جبکہ ان کا کام مزدور کے مقابلہ میں کم ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم (کمپنی والے) سپروائزر مینجر اور ڈائریکٹر وغیرہ کے عہدوں پر فائز ہونے والوں کو عام ممبر سے زیادہ کمیشن دیتے ہیں اور ہمارے پاس اس کا طریقہ کار صرف یہی ہے کہ نئے ممبروں کے بدل انہیں طے شدہ کمیشن دی جائے بشرطیکہ نئے ممبر اس کے ذریعے سے ممبر بنے ہوں۔

کسی کی براہ راست محنت اور بالواسطہ ذریعے سے ممبر بننے کی کمیشن کی جائز اور ناجائز صورت تو گزشتہ سطور میں ہم نے بیان کر دی ہے۔ باقی رہا یہ معاملہ کہ عام اور خاص ملازم کا فرق ہوتا ہے تو یہ بات اپنی جگہ درست ہے لیکن گولڈن کی کے طریقۂ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کار کی اس کے ساتھ کوئی مماثلت نہیں۔ وہ اس لئے کہ مزدور، انجینئر، سپر وائزر وغیرہ ہر شخص کو اس کی اہلیت کے مطابق طے شدہ معاوضہ کے تحت بھرتی کیا جاتا ہے پھر جس اہلیت کے تحت یہ اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہیں اسی کے عوض انہیں تنخواہ دی جاتی ہے مثلاً ایک انجینئر کا کام مشین کی نگرانی ہے اب اگر سارا دن وہ مشین درست کام کرتی ہے تو اس انجینئر کو خاص محنت کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اگر بالفرض مشین میں کوئی خرابی (فالٹ) پیدا ہو جائے تو اسے وہ انجینئر ہی ٹھیک کرسکتا ہے، ساری فیکٹری کے مزدور جمع ہو جائیں تو تب بھی وہ مشین ٹھیک نہیں کر سکتے۔ یہی اہلیت کا فرق ان کی تنخواہوں کے فرق کے ساتھ برآمد ہوتا ہے!

گویا خاص ملازمین اپنی اہلیت اور براہ راست محنت کے عوض زیادہ تنخواہ لیتا ہے لیکن گولڈن کی (وغیرہ) کے طریقہ کار میں جن لوگوں کو کمیشن دی جاتی ہے، وہ ان کی اہلیت اور براہ راست محنت کے عوض نہیں ہوتی اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔!!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(2) بزناس: BISNAS نامی سکیم!

گولڈن کی سے ملتی جلتی ایک اور ملٹی لیول مارکیٹنگ سکیم 'بزناس' کے نام سے معروف ہے۔ یہ تجارتی سکیم انٹرنیٹ کے ذریعے کام کرتی ہے۔ (واضح رہے کہ بزناس نامی اس سکیم کو گورنمنٹ آف پاکستان کی سیکورٹی ایکسچینج کمیشن نے غیر قانونی قرار دے کر اس پر پابندی عائد کر دی ہے)

بزناس کا طریقۂ کار کچھ یوں ہے کہ کمپیوٹر کے کچھ ویب سائٹ پروگرام وغیرہ ۷۰ ڈالر کے عوض یہ کمپنی فروخت کرتی ہے اور ان پروگراموں کی مالیت کھلی مارکیٹ میں بھی اس کے لگ بھگ بنتی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ کمپنی ۷۰ ڈالر خرچ کرنے والے کو مزید گاہک مہیا کرنے پر کمیشن دینے کی پیش کش کرتی ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اگر اس کمپنی کی اشیا خریدنے والا شخص بلاواسطہ یا بالواسطہ ۹ ممبر مہیا کر دے تو اسے مطلوبہ تعداد پوری کرنے پر ۵۰ امریکی ڈالر کا چیک بطور کمیشن پیش کرنے کا لالچ دیا جاتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ لالچ دیا جاتا ہے کہ اس کے بنائے ہوئے ممبران میں سے جو ممبر مزید ۹ ممبر بنائے گا، اس کے عوض اسے بھی کمیشن دیا جائے گا جو ممبروں کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ مزید بڑھتا چلا جائے گا۔ اسی طرح یہ شخص آگے جتنے نئے ممبر بلاواسطہ بنائے گا فی کس ممبر کے عوض اسے ۵ ڈالر الگ سے ملیں گے۔

مذکورہ بالا طریقہ کار میں اتنی بات تو جائز ہے کہ ایک شخص مطلوبہ رقم ادا کر کے کمپیوٹر سافٹ ویئر خرید لے مگر اس کے بعد ممبر سازی کا طریقہ کار محل نظر ہے۔ اس طریقہ کار کی نوعیت اگر اسی حد تک ہوتی کہ ممبر بنانے والے کو فی کس ممبر کے عوض ۵ ڈالر کمیشن دی جاتی تو یہ کمیشن جائز قرار دی جا سکتی تھی کیونکہ یہ اسکی براہ راست محنت پر طے شدہ معاوضہ ہے مگر صورت حال یہ ہے کہ کمیشن دوسری صورتوں کے ساتھ مشروط ہے اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری تمام صورتیں ناجائز ہیں، اس لیے کہ ان میں ایسے ممبروں کی محنت سے پہلے ممبر کو منافع دینے کی لالچ دی گئی ہے جن پر پہلے ممبر نے براہ راست محنت نہیں کی۔ اس لیے وہ اس کے عوض کمیشن لینے کا ہرگز مجاز نہیں (اس کی وجوہات بالتفصیل 'گولڈن کی' کی تجارتی سکیم کی شرعی حیثیت کے تحت بیان ہو چکی ہیں)

علاوہ ازیں اگر غور کیا جائے تو عملی طور پر یہ تقسیم زیادہ دیر تک چل ہی نہیں سکتی اس لیے اس نوعیت کی اکثر سکیمیں مختلف انداز سے آئے روز شروع ہوتی رہتی ہیں اور جلد ہی فراڈ کر کے غائب ہو جاتی ہیں۔ مذکورہ سکیم زیادہ دیر کیوں نہیں چل سکتی، اسے سمجھنے کے لیے آپ یہ فرض کریں کہ ہر ممبر نے آگے دس ممبر بنانے ہیں، تبھی اس کی کمیشن شروع ہوگی ورنہ نہیں تو اب اس انداز سے نئے ممبر بننے والوں کی تعداد کتنی تیزی سے ترقی کرے گی، اس کا اندازہ درج ذیل نقشہ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے:

تدریجی مراحل	حصہ لینے والے
1	1
2	10
3	100
4	1,000
5	10,000
6	1,00,000
7	10,00,000
8	1,00,00,000
9	10,00,00,000
10	1,000,000,000

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گویا اگر ایک شہر کی آبادی ۲۰ لاکھ ہے تو اس سکیم کے تحت ساتویں مرحلہ تک پہنچتے پہنچتے کم از کم دس لاکھ نئے ممبروں کی بھرتی ہونی چاہیے حالانکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی شہر کی آدھی آبادی اس جیسی سکیم کی ممبر بن چکی ہو۔ جب ساتواں مرحلہ آنا ہی ناممکن ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ پہلے ہی دو تین مرحلوں کے بعد ایسی سکیمیں فراڈ کر جاتی ہیں۔

(3) ایس این انٹرنیشنل: S.N.International

یہ کمپنی بلاسود قسطوں پر مختلف اشیائے استعمال مثلاً فریج، فریزر، ٹی وی، وی سی آر، موٹر سائیکل، وغیرہ فروخت کرتی ہے۔ اس کا طریقہ کار بھی کسی حد تک گولڈن کی سے ملتا جلتا ہے وہ اس طرح کہ یہ کمپنی اپنے ڈیلر او رایجنٹ بھرتی کرنے کے لیے فی کس 2000 روپے وصول کر کے مطلوبہ فارم پر کرواتی ہے او راپنے ممبر (ڈیلر) بننے والوں کو SPO (Sales Promotion Officer) کا نام دیتی ہے پھر جب یہ SPO اپنے ساتھ مزید دس افراد کو ممبر SPO بھرتی کروادے تو اسے 'SO' کا درجہ دے دیا جاتا ہے اور اس کا کمیشن بھی SPO سے بڑھا دیا جاتا ہے پھر اسی طرح جب ممبران کی تعداد بڑھتی چلی جاتی ہے تو SPO بھی ترقی کرتے ہوئے SO، پھر SM، اور SE کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔

اس کمپنی کے طریقہ کار میں کمیشن کی صورت کچھ یوں ہے کہ جب SPO کی محنت سے کوئی شخص مذکورہ کمپنی سے کوئی چیز خریدنے آتا ہے تو اصل قیمت خرید کے علاوہ اس سے کچھ اضافی رقم ممبر بننے کے لیے وصول کی جاتی ہے پھر مطلوبہ چیز کی اصل قیمت کا ایک چوتھائی پیشگی وصول کر لیا جاتا ہے جبکہ مطلوبہ چیز کم از کم دو ماہ بعد خریدار کے سپرد کی جاتی ہے اور وصول کردہ چوتھائی رقم سے بطور کمیشن 10 فیصد حصہ SPO کو 5 فیصد SO

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو2فیصد SM کو 0.1فیصدME کو اور0.5فیصد SE کو دیا جاتا ہے۔ یہ سارا طریقۂ کار 'گولڈن کی' سے ملتا جلتا ہے اور اس کی حرمت کی بنیادی وجوہات بھی تقریباً وہی ہیں جو 'گولڈن کی' کی شرعی حیثیت کے ضمن میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ علاوہ ازیں اس کمپنی کے بارے میں یہ خدشہ بڑا قوی ہے کہ دو ماہ کے وقفہ پر جمع ہونے والی ایک بڑی رقم کو جب چاہے یہ لے کر بھاگ نکلے!

(4) شینئل کمپنی کا طریقۂ کاروبار:

شینئل کمپنی بھی گولڈن کی، کی طرز پر کاروبار کرتی ہے بس فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے پاس فروخت کے لیے صرف ایک دوائیٹمیں ہی ہیں مثلاً یہ ایک مساج مشین 9000روپے میں فروخت کرتی ہے حالانکہ اس جیسی مشین کی قیمت 2000 سے کسی بھی طرح زیادہ نہیں ہے بلکہ خود شینئل کمپنی کے لٹریچر کے مطابق اس کی اصل قیمت 3600 روپے ہے باقی 5400 روپے ممبر شپ کی فیس کے طور پر لئے جاتے ہیں، پھر اگر کوئی ممبر مطلوبہ تعداد تک مزید ممبر بنالے تو اسے طے شدہ کمیشن ملنا شروع ہو جاتا ہے ورنہ وہ اس اضافی رقم سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

شینئل کمپنی کا کاروبار چونکہ گولڈن کی ہی کی طرح ہے اس لیے اس کی حرمت کے دلائل بھی وہی ہیں جو 'گولڈن کی، کی تجارتی سکیم کی حرمت' کے ضمن میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔

(5) کاغذی سکیمیں:

کاغذی سکیموں سے مراد ورلڈ ٹریڈنگ نیٹ سکیم، (W,T,N) اور گولڈن چانس سکیم وغیرہ کی طرز کی وہ سکیمیں ہیں جو کسی چیز کی خرید وفروخت نہیں کرتیں بلکہ چند فارموں کے ہیر پھیر سے کمیشن دینے کا لالچ دیتی ہیں اور لاکھوں روپے بٹور لیتی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ سکیموں میں دراصل کاغذ (فارموں) ہی کی خرید وفروخت چلتی ہے، اس لیے یہ سراسر ناجائز ہے کیونکہ خرید وفروخت کے لیے اشیائے تبادلہ کی موجودگی اور منتقلی ضروری ہے لیکن کاغذی سکیموں میں ایسی کوئی چیز ان کی پشت پر کارفرما نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ بھی اس میں کئی ایک پہلو محل نظر ہیں لہذا ان فراڈ سکیموں میں شمولیت سے بہرصورت گریز کرنا چاہیے۔

حکومت پاکستان اور ملٹی لیول سکیموں کے ذمہ داران!

ملٹی لیول مارکیٹنگ سکیموں کے مفاسد کے پیش نظر امریکہ اور یورپ وغیرہ میں ان پر پابندی ہے، یہ صرف تھرڈ کلاس ممالک میں چل رہی ہیں۔ حکومت پاکستان کو چاہیے کہ وہ سرکاری سطح پر ملٹی لیول (MLM) اور پیرامائڈ (Pyramid) نوعیت کی تمام سکیموں کو ممنوع قرار دے اور لوگوں کے لوٹے ہوئے مال ان سے ضبط کر کے واپس دلائے۔ اور ان سکیموں کے ذمہ داران سے ہماری گزارش ہے کہ وہ اگر مسلمان ہیں تو ناجائز ذرائع، حیلوں اور دھوکہ وفریب پر مشتمل طریقوں کو چھوڑ کر اپنی مصنوعات کی فروخت کے لیے وہ طریق کار اختیار کریں جو جائز بھی ہوں اور معروف بھی اور اگر ان کی مصنوعات اتنی معیاری ہیں تو پھر کھلی مارکیٹ میں ان کی فروخت کریں اور جتنا منافع حاصل کر سکتے ہیں جائز ذرائع سے حاصل کرتے رہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فصل : ۲

ملٹی لیول مارکیٹنگ سکیموں کے بارے میں ممتاز علماء کے فتاوی

جماعۃ الدعوۃ اہلحدیث کا فتوی .....از مفتی عبدالرحمٰن عابد صاحب

نظر ثانی وتصدیق از حافظ عبدالسلام بن محمد، نائب امیر جماعۃ الدعوۃ پاکستان

''..... ایک سکیم راولپنڈی سے شروع کی گئی ہے جس کا نام ورلڈ ٹریڈنگ نیٹ (W.T.N) ہے۔ان کی سکیم یہ ہے کہ آپ 3050 روپے ادا کر کے بارہ لاکھ حاصل کر سکتے ہیں۔طریقہ کار یہ ہے کہ یہ لوگ ایک فارم دیتے ہیں جس پر پانچ خانوں میں پانچ ممبرز کے نام وپتہ درج ہوتے ہیں۔ان سب کو درج کر وہ مخصوص رقم منی آرڈر کرنا ہوتی ہے۔جبکہ کمپنی کو 800 روپے منی آرڈر کرنا ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ 50 روپے چیرٹی باکس والے ایک خانے میں درج ممبر کو بھیجنے ہوتے ہیں۔یہ کل رقم ملا کر 3050 روپے بنتی ہے۔ان سب کے منی آرڈر کی رسیدیں کمپنی کو بھیجنے پر کمپنی آپ کو ایسے پانچ فارم بھیج دیتی ہے۔اب ان فارموں میں پانچویں نمبر پر خود آپ کا نام آجائے گا۔یہ فارم جب آپ آگے تقسیم کریں گے تو نئے ممبر بھی آپ کو اسی طرح منی آرڈر بھیجیں گے۔جوں جوں یہ فارم آگے چلتا ہے ممبرز بڑھتے رہتے ہیں تو آپ کا نام ترقی کرتا ہوا چوتھے نمبر پر، پھر تیسرے نمبر پر، دوسرے اور پہلے نمبر پر آجائے گا۔یہاں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک پہنچ کر آپ کے پاس بارہ لاکھ جمع ہو جائیں گے۔اس کے بعد آپ کا نام فارم سے ختم ہو جائے گا۔پھر دوسرے آپ کی جگہ لیتے جائیں گے۔علاوہ ازیں کمپنی کی طرف سے یہ بھی گارنٹی ہے کہ کسی ممبر سے فارم آگے نہ چل سکے تو وہ ہمیں درخواست لکھ دے۔چیرٹی باکس والے خانے سے جمع ہونے والی رقم میں سے نمبر آنے پر اسے 3500 روپے مل جائیں گے یعنی 450 روپے پھر بھی زیادہ ملیں گے اور خسارے کا کوئی امکان نہیں!

یہ سکیم کئی وجوہات کی بنا پر غیر شرعی ہے:

۱۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ ''اللہ تعالیٰ نے بیع (خرید وفروخت) کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے''۔(البقرۃ) جبکہ یہ سکیم تجارت کی صورت سے خارج ہے۔تجارت میں لین دین کرنے والوں کے درمیان کوئی چیز ہوتی ہے جس سے مال اور اشیاء کا تبادلہ ہوتا ہے جبکہ یہاں کوئی چیز نہیں ہے۔صرف لوگوں کو قائل کر کے اور کاغذ آگے بانٹ کر اس کمپنی کے چنگل میں پھنسانا ہوتا ہے۔اگر اسے دلالی کی قیمت سمجھیں تو پھر بازار حسن کی طوائفوں کی دلالی کرنے والے اور اس پر وقت اور محنت صرف کرنے والے کے کاروبار کو بھی حلال اور تجارت ماننا پڑے گا! کیونکہ دونوں میں صورت ایک سی ہے۔ادھر اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا ہے اور ادھر بدکاری ایک حرام فعل ہے۔

۲۔دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ سود سے بھی خوفناک ظلم کی صورت ہے کہ اس نے تو اپنی رقم کمپنی کے کھاتہ میں اور کچھ دوسرے افراد میں تقسیم کی ہے جبکہ اسے جو کچھ ملتا ہے، وہ نہ کمپنی کی طرف سے ہوتا ہے اور نہ ہی ان افراد کی طرف سے جن کو اس نے رقم منی آرڈر وغیرہ کی ہے۔جو کچھ ملتا ہے، وہ ان نئے افراد کی طرف سے ملتا ہے جن کو صرف ایک کاغذ دے کر پیسے لیے جاتے ہیں۔سود میں تو یہ ظلم ہے کہ قرضہ وغیرہ دے کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقروض سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے لیکن یہاں اس شخص سے فائدہ اٹھایا جارہا ہے جس کو کچھ دیا ہی نہیں !اور رسول اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ ہے اور سودی کاروبار میں ملوث لینے ،دینے والے اور لکھنے ،گواہی دینے والے سب برابر کے لعنتی ہیں ۔(مسلم)اور نبی مکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''درهم ربا ياكله الرجل وهو يعلم اشد عندالله من ستة وثلاثين زنية''

''سود کا ایک درہم جسے آدمی کھاتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ یہ سود ہے ،اللہ تعالیٰ کے ہاں چھتیس (۳۶)مرتبہ زنا سے بھی زیادہ سخت (یعنی برا) ہے''(صحیح الجامع الصغیر/5733)

اور یہ بھی فرمایا:

" الربا سبعون باب ايسر ها ان ينكح الرجل امه "

''سود کے ستر دروازے ہیں ۔سب سے معمولی دروازہ ایسا ہے کہ کوئی شخص اپنی والدہ سے نکاح کرلے۔''

۳۔تیسری وجہ :اس سکیم کو بیع تسلیم بھی کیا جائے تب بھی سود ہے کہ اس میں زیادہ پیسوں کی کم پیسوں کے ساتھ بیع کی جاتی ہے اور وہ بھی ادھار ۔صحیح بخاری اور مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالیشان ہے:

''لا تبيعواالذهب بالذهب الا مثلا بمثل ولا تشفوا بعضها على بعض ولا تبيعوا الورق بالورق الا مثلا بمثل ولا تشفوا بعضها على بعض ولا تبيعوا منها غائبا بناجز''

''سونا سونے کے بدلے نہ بیچو مگر برابر برابر اور زیادہ کم مت بیچو اور چاندی کو چاندی کے بدلے نہ بیچو مگر برابر برابر ہو ۔ایک طرف زیادہ اور دوسری طرف کم نہ ہو اور نہ ایک طرف ادھار اور دوسری طرف نقد۔''

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"الذهب بالذهب والفضة بالفضة ...فمن زاد اواستزاد فقد اربیٰ ألآخذ والمعطی فیه سواء"

اس حدیث کے آخر میں ہے کہ" جس نے زیادہ دیایا زیادہ کا مطالبہ کیا ،وہ سود میں پڑ گیا۔ لینے والا اور دینے والا برابر ہیں"

اس (مذکورہ) سکیم میں بھی آدمی کم رقم دے کر بغیر کوئی چیز فروخت کرنے کی محنت کے زیادہ رقم لے لیتا ہے جو سراسر سود اور غیر شرعی ہے۔

'گولڈن کی' سکیم کے بارے میں

یہ سکیم بھی سراسر حرام ہے اور اس کی حرمت کی کئی وجوہات ہیں:

گولڈن کی والوں نے اپنے لٹریچر میں یہ وضاحت کی ہے کہ ہماری اس کمپنی کا ممبر بننے میں خسارے کا کوئی امکان نہیں ۔No Risk کے الفاظ ان کے لٹریچر پر لکھے ہیں اور یہ سراسر سود ہے جس کو اللہ رب العالمین نے حرام کیا ہے ۔اس کو تجارت اور منافع قرار دینا سود کے مفہوم سے جہالت یا تجاھل کا نتیجہ ہے (جس سے ان کی حیلہ سازی کا ثبوت بھی مل رہا ہے) کیونکہ انسان کے لیے منافع کے حصول کی تین صورتیں بنتی ہیں:

ا۔اپنا مال کسی دوسرے شخص کے سپرد کر دیتا ہے کہ آپ اس مال سے تجارت کریں اور جو فائدہ ہوگا،اسے ہم آپس میں ایک متعین مقدار میں تقسیم کرلیں گے ۔یہ صورت صرف مال سے منافع حاصل کرنے کی ہے ۔اس میں مال اور محنت دونوں کے ضائع ہونے کا امکان بھی رہتا ہے۔

اس صورت میں منافع اور سود میں فرق بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ سودی کاروبار میں پہلے سے منافع کی شرح متعین ہوتی ہے اور وہ یقینی ہوتا ہے جیسا کہ یہ کمپنی والے خود اقرار اور اعلان کر رہے ہیں کہ آپ کا منافع بے حساب اور یقینی ہے جبکہ تجارت میں منافع یقینی بھی نہیں ہوتا اور اس کی شرح متعین بھی نہیں ہوسکتی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔انسان خود اپنے مال کے ساتھ تجارت کرے اور اسے اس سے جو نفع حاصل ہو یا اپنا مال کسی دوسرے کو دے اور اس کے ساتھ خود بھی کام کرے۔اس صورت میں بھی سود تجارت سے مختلف ہے۔کیونکہ تجارت میں مال والا اپنی محنت صرف کرتا ہے جبکہ سودی کاروبار میں مال والا کوئی محنت نہیں کرتا جیسا کہ گولڈن کی والوں کی سکیم میں بھی واضح ہے کہ جب پہلا ممبر A بن جاتا ہے تو وہ کم از کم پہلی دفعہ دو ممبرز (B.C) بلاواسطہ بناتا ہے۔اس کے بعد (B.C) آگے اسی طرح ممبرز بناتے ہیں۔اسی طرح آگے جتنے بھی ممبر بنیں گے ،ان سب کے کمیشن میں بھی ممبر A شریک ہوگا حالانکہ اگلے ممبرز (B.C) نے بنائے ہیں اور ان سے اگلے دوسروں نے کیونکہ آگے بنیادی ذمہ داری بھی (B . C) اور پھر ان کے بعد کے ممبر ان کی ہوتی ہے نہ کہ A کی لیکن ممبر A ممبرز (B.C) کے بعد آخر تک بننے والے ممبرز کے منافع (کمیشن) میں بھی شریک ہو جاتا ہے جبکہ ان سب پر ممبر A کی عمومی طور پر محنت نہیں ہوتی اور نہ ہی انہیں کوئی مال دیا ہوتا ہے۔

یہ سب اس لیے ہے کہ کام کو زیادہ پُر مشقت بنانا ایسی قماری کمپنیوں کے فلسفے کے ہی خلاف ہے۔وہ تو بار بار اپنے لٹریچر اور طریقہ کار میں یہ بات ذکر کرتے ہیں کہ اس طریقہ کاروبار کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ آپ برائے نام وقت اور بہت معمولی محنت سے بہت زیادہ دولت کما سکتے ہیں۔

گولڈن کی والوں کے مطابق ممبر A پہلے دو ممبر (B.C) بنانے کے بعد بھی آخری ممبر تک کچھ نہ کچھ محنت ضرور کرتا ہے اگرچہ اگلے ممبرز بنانے کی بنیادی ذمہ داری (B.C) اور ان کے بعد کے ممبران کی ہوتی ہے لیکن ممبر A اگلے تمام ممبران کو ممبرز بنانے کے لیے ضرورت پڑنے پر ترغیب ورہنمائی تو دیتا ہے حالانکہ عملی حقیقت یہ ہے کہ ممبر A دو ممبران (B.C) بنائے اور اگلے ممبران پر محنت نہ بھی کرے اور صرف اگلے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ممبران ہی محنت کرتے رہیں کیونکہ آگے بنیادی ذمہ داری اگلے ممبران کی ہوتی ہے تو ممبر سازی کا سارا نیٹ ورک بھی مکمل ہو جائے گا اور نیچے اسی طرح کے مطلوبہ ممبرز اور منیجر وغیرہ پیدا ہو جائیں گے اور یوں ممبر A کو پورا مقررہ کمیشن مل جائے گا۔

۳۔ایک تیسری صورت یہ ہے کہ بندہ صرف کام ہی کرلے، اس کا اپنا کوئی مال اس میں لگا ہوا نہ ہو جیسے کوئی شخص مضاربت پر محنت کر رہا ہے یا کسی اور شخص کے کام میں شریک ہے کہ نفع آپس میں تقسیم کرلیں گے۔اس صورت میں بھی آدمی اپنی محنت کے نتیجہ میں نفع حاصل کر رہا ہے۔جبکہ کمپنی کا ممبر دوسروں کی محنت کے نفع میں شریک ہوتا ہے۔لہٰذا ان وجوہات کی بنا پر اس کمپنی کا تمام کاروبار سود کے زمرے میں آتا ہے۔

پھر شریعت اسلامیہ کا یہ مسلمہ ضابطہ ہے کہ کسی بھی کام اور معاملے پر حکم اس کے مقصد کے اعتبار سے لگایا جاتا ہے۔اگر کام حلال ہے مگر جس مقصد کے لیے کیا جا رہا ہے ،وہ خلاف شریعت اور حرام ہے تو اس کا حکم اور ہوگا اور اگر وہ حلال وموافق شریعت مقصد کے لیے کیا جا رہا ہے تو اس کا حکم اور ہوگا۔انگور کی تجارت کرنا اور اسے فروخت کرنا حلال ہے لیکن جب اس کے بارے میں یقین ہوگا کہ وہ شراب کشید کرنے کے لیے خریدنا چاہتا ہے تو اس کا حکم اور ہوگا۔مکلف کے تمام قولی اور فعلی معاملات میں یہی اصول ہے۔اس اصول کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو 'گولڈن کی' کمپنی والوں کے کاروبار کا ایک حصہ وہ ہے جسے وہ اپنی مصنوعات کہتے ہیں جن میں اشیاء کی قیمتیں بہت زیادہ رکھی ہوئی ہیں اور دوسرا حصہ ممبر بنانا اور اپنے بننے والے ممبروں کو اپنی آمدن میں شریک کرنا ہے۔

ان دونوں میں سے کمپنی کا اصل مقصد ممبر بنانا ہے۔مصنوعات تو صرف بطور حیلہ اور لوگوں کو دکھانے کے لیے ہیں کہ وہ صحیح اسلامی حلال تجارت کر رہے ہیں۔اس بات کی واضح دلیل یہ ہے کہ کمپنی اپنی مصنوعات کو کھلی مارکیٹ میں نہیں لاتی۔صرف اپنے بننے والے ممبروں کو دیتی ہے۔اگر کوئی ممبر بننے کے بغیر لینا چاہے تو بھی بلاواسطہ نہیں بلکہ ممبر کے واسطہ سے مل سکتی ہے حتیٰ کہ مشاہدہ میں یہ بات آئی ہے کہ ان کے کمپنی دفتر میں بھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی شخص ممبر شپ کارڈ دکھا کر ہی جاسکتا ہے یا اسے ممبرز کے ذریعے جانا پڑتا ہے۔اگر ان کا اصل مقصد اپنی مصنوعات کو فروغ دینا ہوتا تو لازماوہ اس کو مارکیٹ میں پیش کرتے اور ممبروں کے علاوہ جو بھی خریدنا چاہتا،اس کو فروخت کرتے اور مال کماتے۔یہ تجارت کا شفاف طریقہ تھا لیکن اس کو چھوڑ کر ایسا گورکھ اور غیر شرعی طریقہ اسی لیے اختیار کیا گیا تا کہ کمپنی زیادہ سے زیادہ مال کمائے ،ممبران کو بھی زیادہ دولت کمانے کا لالچ ملے چاہے عوام کا اس میں عملی طور پر کتنا ہی بیڑا غرق ہو جائے اور انہیں عام سستی اشیاء کی بجائے مہنگی ترین اشیاء خریدنے پر مجبور کیا جائے ،چاہے انہیں اس کی ضرورت ہی نہ ہو لیکن وہ زیادہ دولت کمانے کے لالچ میں انہیں خریدنے پر مجبور ہوں گے۔اس کے پورے معاشرے پر بالآخر کیا تباہ کن نتائج مرتب ہوں گے،اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔مسلمانوں کو معاشی طور پر تباہ کرنے والے ایسے حیلے اسلام کے اندر جائز نہیں۔بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار سے منع کیا تھا لیکن انہوں نے حیلہ کے ذریعے اس کو جاری رکھا۔انہی حیلوں کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل بندر بنادیا تھا۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات سے جان چھڑانے کے لیے حیلوں کو اختیار کرنا ،اللہ تعالیٰ کی لعنت کا باعث ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''**قاتل الله اليهود لماحرم عليهم شحومها جملوها ثم باعوها فاكلوها**''(۱)

''اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک کرے جب ان پر گائے وغیرہ کی چربی حرام کی گئی تو انہوں نے (حیلے سے)اسے پگھلا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت کھا گئے۔''

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان کمپنیوں کے دعوے کے مطابق اگر برائے نام وقت صرف کر کے آپ لاکھوں کروڑوں میں کھیل سکتے ہیں تو پھر مسلم نوجوان اپنے زیادہ تر فارغ وقت کا کیا کریں گے۔یقیناً پھر وہ سارا وقت بے کار رہنے کی وجہ سے زمین پر دنگا فساد اور اخلاقی جرائم کا باعث بنیں گے جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر تمام لوگ سکیم کے ممبر بن جائیں تو یقیناً سارا نظام زندگی

(۱) [صحيح بخاری : كتاب التفسير: حديث (٤٦٣٣)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفلوج ہو کر رہ جائے گا۔ پھر جب کوئی ممبر بننے والا ہی نہ رہے گا (یعنی سب ممبر بن چکے ہوں گے) تو سینکڑوں نئے ممبرز کی رقوم کا کیا بنے گا۔ کیونکہ جب تک بڑی تعداد میں ممبر نہ بنتے رہیں تو زیادہ کمیشن مل نہیں سکتا۔ اس لیے کمپنی والے کہتے ہیں کہ فائدہ میں وہی رہے گا جو پہلے ممبر بنے گا۔ زیادہ عرصے کے بعد ممبر بننے والے زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ کافی دیر بعد ممبر بننے والوں کا کیا قصور ہے۔ وہ کمپنی کی محض پروڈکٹ خریدنے کے لیے تو ممبر نہیں بنے ہوئے۔ ممبر تو ان کے کمیشن در کمیشن کے چکر میں شریک ہونے کے لیے ہی بنا جاتا ہے اور یہ کئی بھائیوں کے مشاہدے کی بات بھی ہے کہ لوگوں کی اکثریت کمپنی کی اشیاء خریدنے کے لیے نہیں بلکہ لامحدود کمیشن حاصل کرنے کے لئے ممبر بنتی ہے۔ دوسری طرف اگلے ممبرز نہ بننے کے باوجود کمپنی اپنے پیسے برابر وصول کرنے میں کامیاب ہوگی۔ اسے کافی عرصہ بعد ممبر کم بننے سے بھی کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔

اس سکیم میں زیادہ پیسوں کی کم پیسوں کے ساتھ بیع ہے کیونکہ ممبر (A) اپنی کچھ رقم خرچ کر کے کمپنی کی بنائی ہوئی چیز خریدتا ہے۔ (اب یہ شخص آگے دو ممبر (B.C) بنا کر انہیں کمپنی سے خریداری کی ترغیب دیتا ہے لیکن اس کے بعد اگلے ممبرز بنانا (B.C) کا کام ہوتا ہے کہ وہ آگے ممبرز بنائیں۔ ہر ممبر کے لیے پہلے دو ممبرز بنانا ضروری ہوتا ہے، اس طرح یہ ممبرز کا سلسلہ بڑھتا ہے۔ (B.C) کے بعد A نے باقی ممبرز پر عموماً کوئی محنت نہیں کی ہوتی اور نہ ہی انہیں کوئی مال دیا ہوتا ہے لیکن ممبر A آخر تک بننے والے ایسے ممبرز کی محنت کے منافع میں بھی شریک ہوتا ہے اور اس طرح تھوڑی رقم لگا کر اصل رقم سے بہت زیادہ رقم بغیر محنت کے حاصل کرتا ہے حالانکہ زیادہ تر رقم جن کے ذریعے ملتی ہے، انہیں ممبر A نے کچھ دیا بھی نہیں ہوتا۔ یہ تھوڑے مال کی زیادہ مال کے ساتھ بیع کی واضح صورت ہے۔

اس میں جوئے کی بھی صورت ہے کہ ممبر پہلے اپنا بینک اکاؤنٹ کھلواتا ہے اور پھر کمپنی اس میں ممبر کا بننے والا منافع منتقل کرتی رہتی ہے لیکن کمپنی جب چاہے اپنا کاروبار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمیٹ کر غائب ہو جائے یا ممبر بننے کے لیے کوئی رہ نہ جائے تو آخر نئے ممبرز منہ دیکھتے رہ جائیں گے!

کمپنی کے اپنے لٹریچر کے مطابق یہ سکیم امریکہ کے ہاورڈ بزنس سکول سے لی گئی ہے جب ان سے بات کی جاتی ہے کہ آپ کی اشیاء اگر اتنی سائنسی، انقلابی اور شفا بخش ہیں تو انہیں عام مارکیٹ میں پیش کیوں نہیں کرتے تو ان کا جواب ہوتا ہے کہ وہ عام غریب لوگوں کا بھلا چاہتے ہیں۔ پہلے امریکہ اور کئی یورپی وایشیائی ممالک میں یہ کاروبار ہو چکا ہے۔اب وہ پاکستانی مسلمانوں کی صحت اور معاشی خوشحالی چاہتے ہیں۔کیا غیر مسلموں کی بنائی گئی سکیمیں اور منصوبے مسلمانوں کی خوشحالی کے لیے بنائے جاتے ہیں؟اگر کسی کو اس بارے میں کوئی خوش فہمی ہے تو وہ ان پروگراموں کا حشر دیکھ لیں جو مغربی اداروں نے ہماری خوشحالی کے لیے بنائے۔ان کے نتیجے میں آج پاکستان 38ارب ڈالر کا مقروض ہے۔قرآن کا واضح ارشاد ہے:

﴿یاایھاالذین امنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم لا یالونکم خبالا و دوا ما عنتم﴾

''اے ایمان والو!تم اپنا خیر خواہ ایمان والوں کے سوا کسی اور کو نہ بناؤ(تم تو)نہیں دیکھتے۔دوسرے لوگ تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔وہ چاہتے ہیں کہ تم مصیبت میں پڑو۔''[آل عمران۔۱۱۸]

بزناس اور دیگر انعامی سکیموں کے بارے میں

انٹرنیٹ پر کچھ پیکیج دینے والی بزناس (Biznas) کمپنی بھی ''گولڈن کی'' کے ہی ملتے جلتے طریقے پر کام کر رہی ہے۔یہ کاروبار بھی تقریبا انہی وجوہات کی بناء پر حرام ہے۔علاوہ ازیں فیوچر اسٹریٹجین نامی سکیم'بیسٹ فیوچر پلان نامی انعامی سکیم'فیوچر کنگ نامی انعامی سکیم اور پینفا گونو نامی انعامی سکیمیں بھی انہی سے ملتے جلتے طریقہء کاروبار کی وجہ سے ناجائز ہیں۔(۱)

(۱) [مجلۃ الدعوۃ (ستمبر ۲۰۰۲ء ص ۲۰ تا ۲۳)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

'جماعت اسلامی' کا فتویٰ (از مولانا عبدالمالک صاحب)

محترمی، مکرمی جناب عاشق علی خان صاحب قیم جماعت اسلامی ضلع بن قاسم کراچی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

فیکس کے ذریعے جناب کا استفسار ملا جواب درج ذیل ہے:

بزناس (Bisnas) کے نام سے ملٹی مارکیٹنگ کمپنی یا نیٹ ورک مارکیٹنگ کمپنی کے کاروبار کے بارے میں آپ نے جو سوال کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں سے ۴۵۰۰ روپے فیس لے کر انہیں ممبر بنانا اور پھر ۹ ممبرز بنانے پر ۵۰ امریکی ڈالر کا چیک بطور کمیشن پیش کرنے اور پھر بنائے ہوئے ممبران کے بنائے جانے والے ممبران میں سے ہر ۹ ممبرز کی تعداد پر ۵۰ ڈالر کا چیک پیش کئے جانے کا لالچ سب کاغذی کارروائی ہے۔ ہر شخص کو لالچ دے کر ۴۵۰۰ روپے وصول کئے جاتے ہیں اس کے بعد وہ آدمی اپنے ادا کردہ ۴۵۰۰ روپے کے عوض ان لوگوں کو ممبر بنا کر حاصل کرتا ہے جن کو اس نے کچھ نہیں دیا۔ وہ ان میں سے ہر ایک سے ۴۵۰۰ روپے کاغذی کمپنی کو دلاتا ہے اس طرح کاغذی کمپنی لالچ کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو اپنے لئے کمائی پر لگا دیتی ہے اور جو کمائی حاصل کرتی ہے شاید ان میں سے چند آدمیوں کو کچھ ادا بھی کرتی ہو، شاید اکا دُکا آدمیوں کو کچھ مل بھی جاتا ہو، فی الحقیقت اسے فراڈ اور چالبازی سے رقمیں جمع کرنے کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔

ایک کاغذی ادارے کے ممبر بننے کے لئے ۴۵۰۰ روپے دینے ہیں اور ۹ ممبرز بنا کر کل رقم ۴۵،۰۰۰ روپے دیں گے اور اس کے عوض اتنی رقم میں سے ۵۰ ڈالر یعنی ۳۰۰۰ ممبر بنانے والے کو ملتے ہیں باقی رقم کمپنی کے بانی عمران خان اور شارجی صاحب ہڑپ کر لیتے ہیں۔ اس طرح لوٹ کھسوٹ کا ایک جال ہے جو بنا جاتا ہے ایک آدمی دھوکہ سے ایک شخص کی رقم ہتھیا کر دوسرے کو دینے میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ کام عرصہ سے مختلف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کاغذی کمپنیاں کررہی ہیں لیکن ان نوسر بازوں کو پوچھنے والا کوئی نہیں۔ یہ اس طرح سے چندماہ میں لاکھوں کروڑوں روپے کما کر غائب ہوجاتے ہیں۔ ابھی تک کسی کو بھی گرفتار نہیں کیا گیا اور اس لوٹ کھسوٹ کا حساب نہیں لیا گیا۔ حکومت اپنے سیاسی مخالفین یا مجاہدین کو گرفتار کرنے اور انہیں ڈالروں کے عوض امریکہ کے حوالے کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ تنخواہ پاکستان سے اور اضافی الاؤنسز امریکہ سے ملتے ہیں اور کام امریکہ کا کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو لوٹنے والوں کا احتساب کرنے کے لئے کوئی اہتمام نہیں ہے!

والسلام: مولانا عبدالمالک مدیر شعبہ استفسارات ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور و جامعہ مرکز علوم اسلامیہ منصورہ

'گولڈن کی انٹرنیشنل' کمپنی کا کروبار شرعا جائز نہیں..... (دارالعلوم کراچی)

مولانا تقی عثمانی کی تصدیق سے دارالعلوم کراچی کا فتویٰ...الجواب حامدا ومصلیا

سوال میں ذکر کردہ کمپنی کے کاروبار پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کاروبار کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ کمپنی اپنی جو اشیاء فروخت کرتی ہے، واقعتاً کمپنی کا مقصد یہی اشیاء فروخت کرنا ہو اور ان چیزوں کی بازاری قیمت بھی واقعی وہی ہو جس پر وہ فروخت کررہے ہیں تو اس مذکورہ کاروبار کی صورت یہ ہوگی کہ کمپنی اپنے کاروبار کو وسعت دینے کے لیے اپنے گاہک مہیا کرنے والوں کو ایک خاص انداز سے کمیشن دیتی ہے اور اس طرح گاہک مہیا کرکے کمیشن لینا شرعا جائز ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کمپنی کا مقصد اشیاء فروخت کرنا نہ ہو بلکہ لوگوں کو کمیشن کے حصول کی اس مخصوص صورت میں جوڑنا مقصود ہو اور بظاہر اس سوال کی تفصیلات سے اور سائل نے زبانی جو صورت حال بتائی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی کا اصل مقصد وہ چیز فروخت کرنا نہیں، کیونکہ اتنی معمولی چیز جس کی مقدار بقول سائل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے 600 گرام ہے اور چند فروٹوں کے پوڈر پر مشتمل دوائی نما چیز ہے جو 17200 روپے کی نہیں ہوسکتی، اور صرف اس چیز کو استعمال کرنے کے لیے کوئی بھی 17200 خرچ نہیں کرے گا۔ بلکہ اصل مقصد اس کمپنی کا ممبر بن کر نفع کمانا ہے۔ اگر صورتحال یہی ہے تو سارا کاروبار درحقیقت قمار (جوا) ہے اور ناجائز ہے کیونکہ اصل قیمت کی حد تک تو اس شے کی خرید وفروخت درست ہوگئی اور خریدنے والا اس چیز کا مالک ہوگیا مگر اس سے زائد رقم جو ادا کی گئی ہے، وہ داؤ پر لگی ہوئی ہے، اگر خریدار کوئی گاہک مہیا کرلے تو اس جمع کردہ رقم پر نفع ملے گا اور یہی جوا اور قمار ہے۔ لہذا اس صورت کے پیش نظر اس سسٹم میں شامل ہونا اور اس طرح نفع حاصل کرنا شرعا ناجائز ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم!

محمد افتخار بیگ عفی اللہ عنہ دارالافتاء، دارالعلوم کراچی

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ	احقر محمود اشرف غفرلہ	اصغر علی ربانی
۲۲-۵-۱۴۲۲ھ	۲۰-۲-۱۴۲۲ھ	۲۰-۲-۱۴۲۱ھ

'گولڈن کی' کا کاروبار سود اور جوئے پر مشتمل ہے (جامعہ فاروقیہ کراچی)

کمپنی (گولڈن کی انٹرنیشنل) کا طریقہ کار یہ ہے کہ جب کوئی شخص کمپنی سے دوائی خریدتا ہے تو اسے کمپنی اپنا مستقل ممبر بناتی ہے اور اسے کمپنی کی اصطلاح میں ''سپر وائزر'' کہا جاتا ہے، جب سپر وائزر پانچ ممبر کمپنی کو فراہم کرتا ہے تو وہ ''مینیجر'' بن جاتا ہے۔ مینیجر جب چوبیس ممبر بناتا ہے تو اسے ''ڈائریکٹر'' کہا جاتا ہے۔

اب یہ ایک جماعت بن گئی، اگر مذکورہ جماعت اور دیگر ممبروں کے تعاون وکوشش سے بننے والوں کی تعداد دو سو تک پہنچ جاتی ہے تو مذکورہ جماعت کا ڈائریکٹر 'ایگزیکٹو ڈائریکٹر' بن جاتا ہے۔ کمپنی کی طرف سے ممبر مہیا کرنے پر سپر وائزر کو دس ہزار روپے کا پندرہ فیصد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی پندرہ سو روپے، منیجر کو 25 فیصد یعنی دو ہزار پانچ سو روپے اور ڈائریکٹر کو چالیس فیصد یعنی چار ہزار روپے اور ایگزیکٹو ڈائریکٹر کو تینتالیس فیصد یعنی چار ہزار تین سو روپے بطور کمیشن دیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا ممبران میں سے کوئی بھی اگر مہینہ بھر ممبر فراہم نہ کر سکے تو ان میں سے کسی کو بھی کمیشن نہیں ملتا (کمیشن اسی ماہ ملے گا جب ممبران کوئی ممبر فراہم کر سکیں گے) کمپنی کے مذکورہ بالا طریقہ کار میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے اس کاروبار کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ کمپنی کا مقصد دوائی ہی بازاری قیمت کے مطابق فروخت کرنا ہے اور وہ محض کاروبار کو وسعت دینے کی غرض سے اپنے ممبر کو گاہک فراہم کرنے پر کمیشن دیتی ہے اور کمیشن بھی طے شدہ و متعین ہے تو یہ صورت جائز اور درست ہے جیسا کہ ہمارے سابقہ فتویٰ میں تحریر ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کمپنی کا مقصد دوائی فروخت کرنا نہیں بلکہ کمیشن کے حصول کے لیے لوگوں کو اس مخصوص طریقہ کار میں جوڑنا اور نفع کمانا مقصود ہو تو یہ کاروبار جائز نہیں، نہ تو کمپنی کے لیے جائز ہے کہ یہ کاروبار کرے اور نہ ہی کسی دوسرے کے لیے کمیشن لینا جائز ہے۔

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی کا مقصد دوسری ہی صورت ہے اور اس پر قرینہ درج ذیل چند باتیں ہیں:

۱۔ دوائی اتنی اعلیٰ اور معیاری نہیں کہ صرف دوائی کے لیے کوئی شخص کسی ڈاکٹر یا طبیب کی تجویز کے بغیر اتنی بڑی رقم خرچ کرے بلکہ گاہک کا مقصدِ اصلی کمپنی کا ممبر بن کر نفع کمانا ہے۔

۲۔ نفع حاصل کرنے کے لیے کچھ رقم داؤ پر لگائی جاتی ہے اگر ممبر نے مزید گاہک فراہم کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیا تو کمپنی یہ رقم مخصوص کمیشن کے ساتھ واپس کرے گی اور اگر گاہک فراہم نہ کر سکا تو داؤ پر لگائی گئی رقم ڈوب جائیگی۔شریعت مطہرہ نے اسی کو سوداور جوا قرار دیا ہے۔

لہٰذا مذکورہ کاروبار سوداور جوئے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے اور اس مخصوص طریقہ کار میں شامل ہو کر نفع کمانا نہ تو کمپنی کے لیے جائز ہے نہ ہی کسی ممبر کے لیے۔ اس لیے ہمارے سابقہ فتویٰ کا سہارا لے کر مذکورہ کمپنی کے ممبر بننے کی ترغیب دینے سے اجتناب کیا جائے۔فقط،واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب! کتبہ عبدالباری غفرلہ

دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی (۱۴۳۳ھ۔۴۔۲۵)

'گولڈن کی' کے فوڈ سپلیمنٹ کا جائزہ...ازقلم ریاض الحسن نوریؒ،مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان،سابق پروڈکشن منیجر آف امریکی میڈیسن کمپنی 'وائتھ'

لوگوں کی دولت کی پوجا کی خواہش کے پیش نظر جہاں نوٹوں کو دوگنا کرنے کا لالچ دیا جاتا ہے،وہاں ''گولڈن کی'' انٹرنیشنل نامی ایک کمپنی نکلی ہے۔ہر ممبر سے شروع میں 1500 روپے ممبر شپ فیس لینے کے علاوہ ان کو کم از کم 3000 روپے کی کمپنی کی چند اشیاء یا ادویات نما چیزیں فروخت کی جاتی ہیں۔مثلاً ایک فوڈ سپلیمنٹ جسے یو یو آن زو Yu.Yuan Zu کا نام دیا جاتا ہے اور تائیوان کا بتایا جاتا ہے،اس کی قیمت 19 ہزار روپے ہے جو حد سے زیادہ ہے اور ساتھ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ دوانما فوڈ کینسر،بلڈ پریشر،شوگر،ہیپاٹائٹس اور کئی دیگر بیماریوں کا علاج ہے۔اسی وجہ سے اس کی قیمت بہت زیادہ ہے۔پھر جو ممبر بنایا جاتا ہے،وہ جب مزید دو ممبر بناتا ہے جو کمپنی سے کچھ مطلوبہ سیل کریں تو پہلے ممبر کو سپر وائزر کا عہدہ دیا جاتا ہے اور کمیشن بڑھا دی جاتی ہے۔اگلے ممبر مزید مطلوبہ ممبر بنائیں تو پہلا ممبر منیجر پھر ڈائریکٹر اور پھر Executive Director بن جاتا ہے اور ان کی کمیشن وغیرہ بھی بڑھتی رہتی ہے،بس صرف پہلی دفعہ دو ممبر بنانے پڑتے ہیں،باقی کام اگلے ممبرز کرتے رہتے ہیں کیونکہ انہیں بھی اس طرح کمیشن کا لالچ ہوتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سکیم کی ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ Self Treatment کا سبق سکھایا جاتا ہے جس کو سیدھے سادھے لوگ یہ سمجھ کر باور کر لیتے ہیں کہ اشیاء اور ادویات نما چیزوں کی اتنی زیادہ قیمت ہے تو اس میں واقعی کمال ہوگا حالانکہ تمام دنیا کے معالج خود اپنا علاج کرنے کے سخت خلاف ہیں۔ انگریزی دواؤں کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کی ادویات کے اوپر واضح لکھا ہوتا ہے کہ بغیر ڈاکٹری نسخے کے دوائیں فروخت نہ کی جائیں۔ اسی وجہ سے مغربی ممالک میں بغیر ڈاکٹر کے نسخہ کے دوا فروخت نہیں کی جاسکتی۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں بھی لالچی ہوتی ہیں، مگر اس قدر نہیں کہ مریض کی جان کو ہی خطرہ لاحق ہو جائے۔

عمدہ ترین ادویات میں Antibiotics مشہور ہیں۔ ان کی تعداد بیسیوں ہے مگر ان کے استعمال کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مریض کے بلغم، خون، پیشاب یا زخم کی پیپ کو پہلے کلچر کیا جاتا ہے۔ پھر جب بیماری کے جرثومہ کی نشوونما ہو جاتی ہے تو مختلف Antibiotics کی ٹکیاں آتی ہیں جن پر ان کے نام لکھے ہوتے ہیں۔ یہ ٹکیاں کلچر پلیٹ میں لگائی جاتی ہیں جن Antibiotics سے یہ جراثیم زیادہ تعداد میں مر جاتے ہیں، ان کے نام نوٹ کر لیے جاتے ہیں، پھر جو اینٹی بائیٹکس زیادہ اثر دکھاتی ہے، اسے مریض کو بطور انجکشن جیسی دوا ہو، استعمال کرایا جاتا ہے یعنی مختلف دواؤں کا تجربہ مریض پر کرنے کی بجائے لیبارٹری کی پلیٹ پر کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس ٹیسٹ میں چند دن لگ جاتے ہیں مگر مریض کی بہتری کے لیے عقلمند ڈاکٹر ایسا ہی کرتے ہیں۔ جب یہ تجربہ کار ڈاکٹر بھی اس لیبارٹری کے طریقہ کو بہتر سمجھتے ہیں تو بھلا مریض کا خود ہی اشتہاری دوا کے ذریعے علاج کرنا پرلے درجے کی جہالت اور حماقت ہے۔ ایک ایسی حماقت کہ نوٹوں کو دوگنا کرنے کے لیے کسی کے سپرد کر دیا جائے۔

مزید ڈاکٹر لوگ بھی خون، بلغم، پیشاب، براز کے مختلف ٹسٹ کر کے مرض کی صحیح نوعیت معلوم کر کے علاج کرتے ہیں۔ ایکسرے لیے جاتے ہیں Ultra sound اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیگر قسم کے ٹسٹوں کی مدد سے ہی بڑے بڑے ڈاکٹر علاج کرتے ہیں مگر یہ دولت کی پجاری کمپنیاں عوام کو دھوکہ دے کر اور قیمتیں بہت زیادہ رکھ کر بیوقوف بنا رہی ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ میں کافی عرصہ پہلے ایک امریکن دواساز کمپنی میں کام کرتا تھا کہ انہوں نے ایک نئی دوا بنائی جس کی ایک چھوٹی سی شیشی کی قیمت 10 روپے بنتی تھی۔ سیل کے محکمہ نے کہا کہ قیمت زیادہ ہے، فروخت میں مشکل ہوگی۔ امریکن جنرل منیجر نے کہا کہ اس کی قیمت 12 روپے مقرر کردو۔ لوگ کہیں گے کہ اس کی قیمت بہت زیادہ ہے تو ضرور اس میں خاص خوبی ہوگی اور یوں اس کی قیمت 12 روپے کے قریب مقرر کر دی گئی۔ یہ (25،30 سال پہلے کی بات ہے۔ اس وقت یہ قیمت کافی زیادہ تھی۔ یہ پیٹ کی دوا تھی جو ویسے بھی کافی سستی ہوتی ہے) سیل کا یہی اصول ''گولڈن کی'' انٹرنیشنل کمپنی استعمال کر رہی ہے۔ کوئی اس کمپنی سے پوچھے کہ خود انٹرنیشنل کہلوانے والی کمپنی مغرب کے کون کون سے ملکوں میں کتنی مقدار میں ایسی ادویات فروخت کر رہی ہے جہاں ڈاکٹر کے نسخے کے بغیر دوائی فروخت نہیں کی جاسکتی؟!

ایک مکسچر دوائی مختلف انواع کے امراض میں کارگر نہیں ہوسکتی!

راقم الحروف پروفیشنل فارماسٹ ہے اور امریکن کمپنی وائتھ لاہور میں پروڈکشن منیجر اور چاس۔ اے مینڈ وزا کراچی میں فیکٹری منیجر کے طور پر کام کر چکا ہے۔ خاکسار اپنے پروفیشنل علم اور 35 سالہ تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہے کہ ایک دوائی مختلف انواع کے امراض میں مثلاً کینسر، بلڈ پریشر، ہیپاٹائٹس وغیرہ میں ہرگز کارگر نہیں ہوسکتی بلکہ اگر ایک مرض کو کچھ فائدہ دے گی تو دوسرے مرض میں اضافہ کرے گی کیونکہ ان بیان کردہ امراض کی نوعیت مختلف ہے۔ ایسا دعویٰ تو کوئی دغا باز عطائی ہی کر سکتا ہے جس کو انسانی صحت یا جان کی کوئی پرواہ ہی نہ ہو۔ سادہ لوح لوگوں کو دھوکہ دینے کا یہ طریقہ بالکل ایسا ہی عجیب وغریب ہے جیسا کہ نوٹوں کو دوگنا کرنے کا مضحکہ خیز دعویٰ۔ لوگوں کو ایسے احمق لوگ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی ملتے ہیں جو یہ یقین کر لیتے ہیں کہ نجوم وغیرہ سے مستقبل کے واقعات کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔حالانکہ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ غیب کا علم یا مستقبل کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

اسلامی دور کے قوانین

گزشتہ اسلامی دور کی حسبہ (محکمہ احتساب) کی کتب سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں علاج معالجہ کی مستند سند کے بغیر مریضوں کا علاج کرنا جرم تھا۔اور عطائیوں کو سخت سزا دی جاتی تھی بلکہ انہی کتب میں موجود ہے کہ مستند معالج کے لیے بھی یہ طریقہ تھا کہ معالج جو نسخہ تجویز کرے گا ،اس کی ایک نقل مریض کو بھی دی جاتی تھی ۔اگر مریض کو نقصان پہنچتا یا وہ مرجاتا تو تمام نسخے جمع کر کے مریض کے لواحقین حکومت کے مقرر کردہ اعلیٰ معالج کے پاس لے جاتے ۔اگر تحقیق سے پتہ چلتا کہ معالج کی غلطی سے مریض کو نقصان پہنچا ہے یا اس کی موت واقع ہوگئی ہے تو علاج کرنے والے معالج کو قرار واقعی سزا دی جاتی غرضیکہ اسلامی دور میں کسی عطائی یا اہل ٹپ علاج کرنے والے کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔بازاروں میں محتسب پھرتے تھے ،دوسرے معاملات کی طرح علاج معالجہ اور ادویات کے کاروبار کی بھی نگرانی کرتے تھے۔

فوڈ سپلیمنٹ

ماں کا دودھ بچوں کی بہترین متوازن خوراک ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہیا کی جاتی ہے ۔اس میں انسانی ضرویات کی تمام اقسام کی خوراک پائی جاتی ہے ۔یہ مکمل خوراک ہے۔البتہ اس میں لوہے کی مقدار کم ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی کمی اس طرح پوری کی ہے کہ بچہ کے جگر میں پیدائش کے وقت فالتو لوہے کی مقدار رکھ دی ہے جو دو سال کے شیر خواری کے دورانیہ کے لیے اس کو کافی ہوتی ہے ۔ہم دیکھتے ہیں کہ دودھ کا کمال یہ ہے کہ ان دو سالوں میں بچہ بہت تیزی کے ساتھ بڑھتا ہے اور نشوونما پاتا ہے، دودھ بہترین فوڈ بھی ہے اور فوڈ سپلیمنٹ بھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اور بہترین فوڈ سپلیمنٹ شہد ہے جس کی تعریف قرآن کریم میں کی گئی ہے اور جس کی تیاری کی ذمہ داری شہد کی مکھیوں کو سونپ دی گئی ہے۔ یہ مکھیاں ایک ایک پھول پر جاتی ہیں اور نیکٹر اکٹھا کرتی ہیں۔ قرآن میں آتا ہے ﴿اوحی الی النحل ...﴾ اللہ نے شہد کی مکھیوں کو وحی کی۔ اس وحی کے مطابق وہ ایسے طریقے استعمال کرتی ہیں کہ ان کے چھتے ایئر کنڈیشنڈ رہتے ہیں، درجہ حرارت بڑھنے نہیں پاتا۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس اور نمی وغیرہ بھی کنٹرول میں رہتی ہے۔ شہد کی مکھی کے عجائبات بیالوجی کی کتب میں واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ غرض قرآن کی رو سے یہ بہترین فوڈ سپلیمنٹ ہے۔ اسی طرح بادام بہترین فوڈ سپلیمنٹ ہے۔ امام ابن جوزیؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ محض بادام اور پانی پر تکیہ کر کے انسان مہینوں صحت مند رہ سکتا ہے۔ عرب کھجور اور پانی پر لمبی مدت تک گزارہ کیا کرتے تھے۔ وٹامنز اور منرلز Choline Inositol وغیرہ کی اشیاء انگریزی ادویات میں فوڈ سپلیمنٹ کے طور پر استعمال ہوتی ہیں لیکن ان میں سے کوئی اتنی گراں نہیں کہ جس کی ایک بوتل کی قیمت انیس ہزار ہو۔

مذکورہ بالا کمپنی نے اپنے فوڈ سپلیمنٹ کی قیمت انیس ہزار رکھی ہے تاکہ اس رقم سے ممبرز کو کمیشن دیا جاسکے اور خود بھی مالدار بنا جاسکے۔ لوگوں کی دولت کی حرص اور دولت کی پوجا کے جذبہ کا اس پوری سکیم میں اسی طرح فائدہ اٹھایا گیا ہے جس طرح نوٹوں کو دوگنا کرنے کے دعویدار اٹھاتے ہیں۔ ہائی کورٹ کو دھوکہ بازی کی سکیم کا پورا مطالعہ کرنا چاہیے اور اس کمپنی کے خلاف ایکشن لینا چاہیے!

لیبارٹری رپورٹوں کا دھوکہ....!

اس کمپنی نے دھوکہ دینے کے لیے بعض لیبارٹریوں کی رپورٹ بھی رکھی ہوئی ہے۔ مگر لیبارٹری تو یہی بتاسکتی ہے کہ اس میں فلاں فلاں اجزاء اتنی اتنی مقدار میں موجود ہیں۔ یہ لیبارٹریاں تو صرف اجزاء ٹیسٹ کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ ان میں کوئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضر صحت چیز تو نہیں ۔ یہ تو نہیں بتاتیں کہ یہ دوا کینسر، ہائی بلڈ پریشر اور ہیپاٹائٹس اور دیگر فلاں فلاں بیماریوں کے لیے تیر بہدف ہے، نہ یہ کام ان کے کرنے کا ہے!

لوگوں کو یہ بھی نہیں بتایا جاتا کہ ان کے تریاق نسخہ کا موجد کون ہے اور وہ کس یونیورسٹی کا فارغ التحصیل ہے اور علاج معالجہ کی دنیا میں اس کا کیا مقام ہے اور کیسی شہرت ہے۔ ہمارے ہاں رائج یونانی حکمت میں ایک دوا ہے جو دل کے اختلاج اور تقویت دل کے لیے عام طور پر استعمال ہوتی ہے ۔اس کا نام'' خمیرہ ابریشم حکیم ارشد والا'' ہے ۔یہ اپنے موجد کے نام سے مشہور ہے اور اجملی دواخانہ اور ہمدرد وغیرہ سب مشہور ادویات کے بنانے والے اسے اسی نام سے فروخت کرتے ہیں ۔

گولڈن کی انٹرنیشنل کمپنی کی ادویات نما چیزوں کے موجد کا نام بھی راز میں رکھا جاتا ہے۔ پھر اس شیطانی چکر میں شیطان کی آنت کی طرح سسٹم میں لوگوں کو عہدوں اور کمیشن کا لالچ دے کر ممبر بنا کر شروع ہی میں ہر ممبر سے فیس کے طور پر 1500 روپے اور چیز کی قیمت کے طور پر کم از کم 3000 روپے وصول کر لیے جاتے ہیں ۔ پھر ہر ممبر اپنی دی ہوئی رقم کی واپسی بلکہ اسے لاکھوں میں بدلنے کی کوشش میں دوسروں کو ممبر بنانے کی کوشش کرتا ہے، وہ پہلے دو ممبرز کے سوا ایسے ممبرز کے منافع میں بھی شریک ہوتا ہے جن پر اس نے عموماً کوئی محنت نہیں کی ہوتی اور نہ ہی انہیں کوئی مال دیا ہوتا ہے ۔اس طرح کا طریقہ سراسر فراڈ، دھوکہ اور غیر شرعی ہے ۔ پھر قیمتیں زیادہ رکھ کر دوسروں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ جب دوا اتنی زیادہ قیمتی ہے تو ضرور کوئی بات ہوگی ۔یوں سادہ مزاج لوگ اس چکر میں پھنس جاتے ہیں ۔

سابقہ ہندوستان میں جو عظیم حکماء گزرے ہیں، وہ غریبوں کا مفت علاج کرتے تھے، فیس نہیں لیتے تھے اور ادویات بھی سستی دیتے تھے ۔البتہ نوابوں اور امیروں سے بھاری رقم وصول کرتے تھے ۔ ہمارے ملک میں غریبوں کی اکثریت ہے ۔بھوک وافلاس سے خودکشی کی خبریں بھی اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں ۔ بہت سے مریض علاج کا خرچہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برداشت نہ کر سکنے کی بناء پر موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ان میں کینسر اور اسی طرح کے دیگر مریض بھی ہوتے ہیں۔اس گولڈن کمپنی نے غریبوں کے لیے کیا کیا؟ان کی ادویات کی قیمت اتنی ہے کہ خوشحال گھرانے بھی انہیں نہیں خرید سکتے اور جو خرید لیں تو وہ سراسر پھنسنے والی بات ہوگی۔

ادویات کی فروخت کا صحیح طریقہ:

نصف درجن سے زیادہ امراض کے لیے تیر بہدف نسخہ کا تو کیا ذکر،اگر ان کے پاس صرف کینسر ہی کا کوئی کار آمد نسخہ موجود ہے تو وہ شوکت خانم ہسپتال میں اپنی دوامفت پیش کرتے اور ڈاکٹروں کو اس کے فائدہ مند ہونے کا ثبوت (جو وہ اپنے ممبروں اور عوام کو پیش کرتے ہیں) پیش کر کے درخواست کرتے کہ مریضوں پر اس کا تجربہ کیا جائے۔اس کے ساتھ کچھ ایسے مریض بھی پیش کرتے جن کو پہلے کینسر تھا اور اب وہ شفایاب ہو چکے ہیں۔ڈاکٹروں کے لیے ان کے اس دعوے کو چیک کرنا آسان ہے۔اسی طرح دوسرے ہسپتالوں میں ڈاکٹروں کو اسی طریق پر پیش کرتے۔پھر اگر ان کا نسخہ اور دوا واقعی کینسر کے لیے کار آمد ہوتی ہے تو رفتہ رفتہ چار دانگ عالم میں اس کا شہرہ مچ جاتا۔آج کل دنیا چھوٹی ہو کر رہ گئی ہے اور یوں یہ بات بھی یقینی تھی کہ اس کے موجد کو نوبل پرائز بھی مل جاتا!

پاکستان میں بہت سے عظیم لوگ کینسر کے مریض ہیں۔ان کو گولڈن کمپنی اپنی دوا پیش کرتی۔اگر وہ تندرست ہو جاتے تو پاکستان کے کینسر کے بہت سے مریض فوراً ان کی دوا خرید لیتے۔مگر گولڈن کمپنی میں اتنی ہمت کہاں کہ وہ اپنی اشیاء ڈاکٹروں،سائنسی ماہرین اور معالجوں کے پیش کرے۔وہ تو بھولے بھالے عوام کو بے وقوف بنا کر دولت کی پوجا میں مصروف لوگوں کو ساتھ لے کر سیدھے طریقے سے چیزیں بیچنے کی بجائے ایک مخصوص شیطانی چکر چلا رہی ہے اور یہی اس کا اصل مقصد ہے ورنہ اچھی چیزیں بیچنا ان کا مقصد ہوتا تو وہ سیدھے طریقے سے انہیں عام مارکیٹ میں پیش کرتی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر دیکھیے کہ اگر کوئی مریض جو کینسر یا ہیپاٹائٹس کی بیماری میں مبتلا ہو اور ان کی دوا سے فائدہ نہ ہو اور مرض بڑھ جائے ،اس پر دوسری ادویات بھی کارگر نہ ہوں اور وہ مریض مر جائے تو اس کی موت کا کون ذمہ دار ہوگا ؟ایسا ہونا بالکل ممکن ہے کیونکہ کینسر اور ہیپاٹائٹس مختلف اقسام کا ہوتا ہے ۔ہر قسم کے لیے دوا بھی مختلف ہوتی ہے ۔علاج معالجہ کے علاوہ پرہیز کی بھی بڑی اہمیت ہوتی ہے ۔ان کے پاس تو ہر قسم کے کینسر اور ہیپاٹائٹس کے لیے ایک ہی دوا ہے، پرہیز کا تو کوئی تذکرہ ہی نہیں !!(۱)

حافظ ثناء اللہ مدنی صاحب (شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ، لاہور) کا فتویٰ

سوال:صورت احوال آنکہ عمان میں ایک کمپنی نے انٹرنیٹ پر ویب سائٹ ''Bisnas.com'' کے نام سے ایک کاروبار شروع کیا ہے.....اس کی نوعیت یہ ہے کہ ایک آدمی چھے ہزار روپے ادا کرکے اس کمپنی کا رکن بنے اور پھر وہ مزید 9 آدمیوں کو رکن بنائے ۔اگر وہ ایسا کرلے گا تو اسے مبلغ 3000 روپے کا چیک وصول ہوگا۔اس کے بعد ہر فرد جتنے ممبر بناتا جائے گا،اس کے حساب سے اس کا معاوضہ پہلے رکن کو بھی ملے گا اور پھر نمبر وار دوسرے افراد کو بھی ملے گا۔اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ کاروبار قرآن وسنت کی روشنی میں جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:مذکورہ بالا صورت جوئے کی ایک شکل ہے جو شرعا ناجائز ہے۔کمپنی ہذا کی رکنیت اختیار کرنے والے کو جو تین ہزار ایک صد وصول ہوئے ہیں اور بعد میں بھی جو سلسلہ جاری رہے گا،آخر وہ کس شے کا معاوضہ ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ اس رقم کا منافع نہیں ہے بلکہ اس کی وساطت سے عامۃ الناس سے محنت کے بغیر لاکھوں روپے بٹورنے میں کمپنی کے تعاون کا ثمر ہے جو کسی صورت درست نہیں۔حقیقت یہ ہے کہ سود اور جوئے کے ناموں سے چونکہ مسلمان فطری طور پر متنفر ہیں اس لئے دشمنان اسلام نے ایسی سکیمیں ایجاد کی ہیں جن کے ذریعے ان دونوں حرام اشیا کی ملاوٹ سے مسلمانوں کو زہر آلود انجکشن لگائے جارہے ہیں جن سے اجتناب ہر صورت ضروری ہے واللہ ولی التوفیق(۲)

(۱) [بشکریہ ماھنامہ 'مجلۃ الدعوۃ' لاھور(ستمبر ۲۰۰۲ء ص ۵۰ تا ۵۱)]

(۲) [ھفت روزہ'الاعتصام'لاھور(جلد ۵۵/۲۴ جنوری ۲۰۰۳ء ص ۱۴)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فصل : ۳

جوائنٹ سٹاک کمپنیوں اوران کے حصص (Shares) کے کاروبار کی شرعی حیثیت

جوائنٹ سٹاک کمپنیاں اوران کا تاریخی پس منظر

چند افراد کا باہم مل کر مضاربت یا مشارکت کے اصولوں کے مطابق کاروبار کرنا زمانہ قدیم سے مروج چلا آرہا ہے اور اسلامی تعلیمات میں بھی اسے چند حدود و قیود کا پابند بنا کر برقرار رکھا گیا ہے۔ دور حاضر میں کاروبار کی مذکورہ بالا صورت کے لئے پاٹنرشپ (Partner ship) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

سترہویں صدی میں شراکت ومضاربت سے ملتی جلتی کاروبار کی ایک نئی صورت سامنے آئی جسے جوائنٹ سٹاک کمپنی (Joint Stock Company) کہا جاتا ہے اور اس نے بہت جلد اقتصادیات کے میدان میں اپنی اہمیت کو منوالیا۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ سترہویں صدی میں جب یورپ میں صنعتی انقلاب آیا تو بڑے بڑے کارخانے قائم کرنے کے لئے وافر سرمائے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چونکہ ہر جگہ ایک یا چند افراد مل کر اتنا سرمایہ فراہم نہیں کرسکتے تھے، اس لئے یہ طے پایا کہ کسی بھی کارخانے کے جملہ اجزا کو انتہائی چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کرکے اسے عوام میں پیش کردیا جائے تاکہ ایک طرف لوگوں کو انہیں خرید کر متعلقہ کاروبار میں 'شراکت' کا موقع مل سکے اور دوسری طرف کارخانہ اور فیکٹری چلانے کے لئے بھاری سرمائے کی فراہمی بھی ممکن العمل ہوسکے۔ چنانچہ اس طرح سے جوائنٹ سٹاک کمپنیاں وجود میں آئیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شروع شروع میں ان پرائیوٹ کمپنیوں کو از راہ مجبوری حکومت وقت کی طرف سے وسیع اختیارات دیئے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ انہیں قوانین تجارت وضع کرنے، سکہ ڈھالنے (کرنسی جار کرنے) اور اپنے تحفظ کے لئے اسلحہ اور فوج رکھنے کا بھی اختیار ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ برصغیر پر قابض ہونے والی 'ایسٹ انڈیا کمپنی' بھی اسی قسم کی ایک کمپنی تھی جو اپنے دور میں پورے برصغیر کی اقتصادیات کو کنٹرول میں لے چکی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ اسی نوعیت کی بہت سی علاقائی کمپنیاں بھی وجود میں آنے لگیں۔ اب تو پوری دنیا میں جوائنٹ سٹاک کمپنیاں کام کر رہی ہیں مگر فرق صرف یہ ہے کہ اب ان کے اختیارات میں پہلے والی وسعت نہیں بلکہ اب یہ صرف تجارتی کمپنیاں ہیں جو حکومت کی اجازت سے قائم ہوتی ہیں۔ پاکستان میں بھی کارپوریٹ لاء اتھارٹی (Carporate Law Authority) کے نام سے ایک سرکاری ادارہ قائم ہے جو ایسی کمپنیوں کی تشکیل اور کنٹرول کا کام کرتا ہے۔

ایسی کمپنیوں سے چونکہ سینکڑوں، ہزاروں لوگ وابستہ ہوتے ہیں اس لئے کسی بھی وقت کسی بھی فرد کو شراکت ختم کرنے یا کسی نئے فرد کو کمپنی کی شراکت اختیار کرنے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے، اب کمپنی کے لئے ہر وقت ایسے لوگوں سے حساب کتاب کرتے رہنا ممکن نہیں ہوتا جبکہ لوگوں کی یہ کل وقتی ضرورت ہے جسے پورا کرنے اور دیگر بہت سے معاملات طے کرنے کے لئے کمپنی کو الگ سے ایک بازار میں اپنے کاروبار کی جملہ تفصیلات مہیا کرنا پڑتی ہیں۔ ان تفصیلات پر مشتمل دستاویزات کو کمپنی کا پراسپیکٹس اور متعلقہ بازار کو اسٹاک ایکسچینج (Stock Exchange) یا سٹاک مارکیٹ (Stock. Market) کا نام دیا گیا ہے۔

شیئرز کی تعریف

شیئرز (Shares) انگریزی زبان کا لفظ ہے جبکہ اردو میں اس کے لئے 'حصص' اور عربی میں 'اسہم' کی اصطلاح مروج ہے۔ واضح رہے کہ حصص، حصہ کی اور اسہم، سہم کی جمع ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیئرز، یا حصص دراصل کسی بڑے کاروباری ادارے (فیکٹری، کارخانے وغیرہ) کے کل ملکیت کے چھوٹے چھوٹے اجزا کا نام ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں ایک کاروبار جتنے سرمائے سے شروع کیا جاتا ہے، اسے اکائیوں پر تقسیم کرلیا جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک اکائی ایک حصے (Share) کی نمائندگی کرتی ہے۔ اسے مثال کے ساتھ یوں سمجھئے کہ ایک شخص ایک کروڑ روپے کی فیکٹری لگانا چاہتا ہے یا ایک فیکٹری کی تمام اثاثہ جات سمیت کل مالیت ایک کروڑ روپے ہے۔ اب ایک کروڑ کو اکائیوں پر تقسیم کیا جائے تو ایک کروڑ اکائیاں بنتی ہیں یہی ایک کروڑ اکائیاں اس فیکٹری کے ایک کروڑ حصص طے پائیں گے۔ گویا ایک روپیہ فی حصہ کے حساب سے کمپنی کے کل حصص ایک کروڑ ہوئے۔ اور اگر فی کس حصہ کی قیمت ایک روپیہ کی بجائے دس روپے مقرر کردی جائے تو کمپنی کے کل حصص دس لاکھ ہوں گے۔

اب فرض کیجئے کہ فیکٹری خوب چل رہی ہے اور فیکٹری کا مالک یہ چاہتا ہے کہ اسی طرح کی ایک اور فیکٹری کسی دوسرے شہر میں بھی قائم کی جائے مگر اس مقصد کے لئے اسے کم از کم 50 لاکھ روپے مطلوب ہیں جو اس کے پاس نہیں اور اتنا قرض کوئی دینے کے لئے اول تو تیار نہیں اور اگر کوئی تیار ہے تو ساتھ سود کا مطالبہ بھی ہے جسے یہ قبول نہیں کرسکتا۔ چنانچہ وہ اس کا حل یہ نکالتا ہے کہ پہلی فیکٹری سے اتنی رقم اس مقصد کے لئے نکال لی جائے اور وہ اس کا طریقہ کار یہ اختیار کرتا ہے کہ ایک کروڑ حصص میں سے 50 لاکھ حصص فروخت کے لئے بازار حصص میں پیش کردیتا ہے تاکہ مختلف لوگ یہ حصص خرید کر اور اس کے عوض 50 لاکھ کی رقم دے کر اس کے کاروبار میں شریک ہوجائیں۔ چنانچہ 10 اشخاص 5`5 لاکھ کے حصص خرید لیتے ہیں اور یوں اس فیکٹری کے مالکان کی تعداد ایک کی بجائے 11 ہوگئی۔ ایک تو اصل مالک ہے جس کے پاس 50 لاکھ کے حصص ہیں اور باقی 50 لاکھ کے حصص کے 10 نئے افراد اب اس فیکٹری کے حصہ دار بن چکے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور پہلے مالک کو نئی فیکٹری کے لئے جتنے سرمایہ کی ضرورت تھی وہ اسے مل چکا ہے، اور جس کے پاس جتنے حصص ہیں وہ اسی قدر اس شخص کی متعلقہ کمپنی میں ملکیت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مثلاً اصل مالک نے آدھے حصص اپنے پاس رکھے ہیں اور فروخت کردہ حصص میں سے بھی 10 حصص خریدے ہیں اس لئے وہ اب 100 فیصد کی بجائے 60 فیصد مالک ہے اور باقی 9 افراد 10,10 فیصد مالک ہوگئے ہیں۔

یاد رہے کہ اگر فیکٹری خوب نفع دے رہی ہو تو لوگ دھڑا دھڑ اس فیکٹری کے حصص خرید لیتے ہیں بلکہ اگر ایک کروڑ سے شروع ہونے والی فیکٹری 5 کروڑ کی مالک بن چکی ہے یعنی اس کا فی حصہ ایک روپے کی بجائے 5 روپے ہو چکا ہے تو لوگ اسے 5 کی بجائے 10 روپے میں خریدنے کے لئے بھی تیار ہوتے ہیں اور اگر فیکٹری نقصان میں جارہی ہو تو پھر فی حصہ ایک روپے سے بھی کم میں بکتا ہے۔

شیئر ہولڈر اور شیئر سرٹیفکیٹ

جو شخص کسی کمپنی کے حصص خرید لیتا ہے اسے کاروباری اصطلاح میں شیئر ہولڈر کہا جاتا ہے۔ چونکہ شیئر خریدنے والا متعلقہ ادارے یا کمپنی کو باقاعدہ رقم ادا کرتا ہے جس کا اسے کوئی ثبوت رسند چاہئے چنانچہ متعلقہ کمپنی اپنی قانونی رسید جاری کرتی ہے جس پر درج ہوتا ہے کہ ''فلاں فلاں شخص نے اس کمپنی کے اتنے حصے خریدے ہیں جن کی مجموعی مالیت فی حصہ اتنے روپے کے حساب سے اتنی بنتی ہے۔'' ان رسیدوں کو شیئر سرٹیفکیٹ کہا جاتا ہے۔

عام طور پر آسانی کی غرض سے مختلف کمپنیاں 10,10 یا 100,100 روپے والی رسیدیں تیار کروا کے رکھتی ہیں تاکہ حصص خریدنے والوں کو حسب حصص یہ رسیدیں/ سرٹیفکیٹس جاری کئے جاسکیں۔ ان رسیدوں کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جن پر شیئر ہولڈر کا نام درج ہوتا ہے، انہیں Registered Share کہا جاتا ہے۔ جب ایسے شیئر کو متعلقہ شخص مزید آگے بیچتا ہے تو انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے حقوق کی منتقلی اور نئے حصہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دار کے نام کا سرٹیفکیٹس جاری کرنے کے لئے ایک سے تین ہفتوں کی مدت درکار ہوتی ہے اور اگر اس مدت میں کمپنی کو نفع یا نقصان ہو تو اس کا ذمہ دار نیا شخص ہوتا ہے جبکہ کمپنی اس نفع یا نقصان کو اس شخص کے کھاتے میں ڈالتی ہے جس کا نام بطور شیئر ہولڈر کمپنی میں درج ہے۔ اور وہ شخص چونکہ اپنا حصہ زبانی یا تحریری وعدے کی بنیاد پر آگے فروخت کر چکا ہے اس لئے نفع/نقصان کا ذمہ دار اب وہ نہیں ہوگا۔

رسید/سرٹیفکیٹ کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس میں رسید پر کسی کا نام تحریر نہیں ہوتا بلکہ جس کے ہاتھ/قبضہ میں وہ رسید ہوگی وہی اس کا مالک سمجھا جائے گا۔ شیئر کی اس صورت کو بیئرر حصص Bearer Shares کہا جاتا ہے۔

سٹاک ایکسچینج/بازار حصص

جب کوئی شخص کمپنی کے شیئرز خرید کر اس کا حصہ دار بن جاتا ہے تو پھر اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ جب چاہے اپنی رقم واپس لے کر شراکت سے دستبردار ہو جائے۔ بلکہ یہ اسی وقت ممکن ہے جب کمپنی تحلیل ہو جائے اور جب تک کمپنی موجود ہے اس سے متعلقہ حصے کی رقم واپس نہیں لی جا سکتی کیونکہ وہ رقم کمپنی کے کاروبار میں لگی ہوئی ہے۔ کمپنی کے برعکس شرکاء کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ان میں سے اکثر و بیشتر افراد کو کسی بھی وقت اپنا سرمایہ واپس لینے کی ضرورت لاحق ہوتی رہتی ہے، اس لئے یہ ضمانت فراہم کرنا ضروری تھا کہ شرکاء میں سے ہر کسی کو بوقت ضرورت اپنی رقم واپس لینے یعنی اپنے حصص کو نقدی میں دوبارہ تبدیل کرنے کا اختیار ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے حصص کسی اور کو فروخت کر دیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے جوائنٹ سٹاک کمپنیوں نے بازار حصص (Stock Exchange) قائم کئے۔ جہاں شرکاء متعلقہ کمپنی سے نفع/نقصان کا حساب کر کے اپنا حصہ کسی اور کو بیچ کر اپنی رقم واپس لے سکتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں خریدار اس کمپنی کے حصہ دار بن جاتے ہیں۔ اس طرح خرید و فرخت کا یہ سلسلہ ہر وقت چلتا رہتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیئرز کی خرید وفروخت کی مختلف صورتیں ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ تاہم یہ بات یاد رہے کہ شیئرز کی خریدوفروخت کی ایک اہم صورت اور ذریعہ بازار حصص (Stock Exchange) ہے۔

واضح رہے کہ سٹاک ایکسچینج ایک پرائیوٹ ادارہ ہوتا ہے جو حکومت کی اجازت و سرپرستی کے ساتھ کمپنیوں کے شیئرز کی خریدوفروخت کا اہتمام کرتا اور ذریعہ بنتا ہے۔ لیکن عام طور پر اسٹاک ایکسچینج انہی کمپنیوں کے شیئرز کا کاروبار کرتا ہے جو قابل اعتماد ہوں اور کچھ نہ کچھ ساکھ رکھتی ہوں ۔ ان کمپنیوں کو لسٹڈ کمپنیاں (Listed Companies) کہا جاتا ہے اور جن کمپنیوں کے شیئرز کی ذمہ داری سٹاک ایکسچینج نہ لیتا ہو انہیں (Unlisted Companies) کہا جاتا ہے۔ یہ کمپنیاں دیگر ذرائع سے اپنے حصص فروخت کرتی ہیں۔

سٹاک ایکسچینج اور ممبر شپ

سٹاک ایکسچینج میں شیئرز کی خریدوفروخت کا کام چونکہ نہایت پیچیدہ، نازک اور فنی مہارت کا محتاج ہوتا ہے اور اس میں ذرا سے غلطی لاکھوں، کروڑوں کے نقصان کا ذریعہ بن سکتی ہے، اس لئے کمپنیاں اپنے معاملات کا ذمہ دار ماہرین فن کو بناتی ہیں اور انہیں ممبر شپ سرٹیفکیٹ جاری کرتی ہیں۔ گویا سٹاک ایکسچینج میں شیئرز کی خرید وفروخت کا کاروبار کرنے کے لئے متعلقہ کمپنی کا ممبر ہونا ضروری ہے اور ممبر ہی متعلقہ کمپنی کا شیئر سرٹیفکیٹ جاری کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔

سٹاک ایکسچینج اور دلالی

سٹاک ایکسچینج کے ممبر جہاں اپنے لئے شیئرز خریدتے ہیں وہاں بحیثیت دلال (Broker) دوسروں کے لئے بھی کمیشن پر شیئرز کی خریدوفرخت کرتے ہیں۔ سٹاک ایکسچینج میں کسی کمپنی کے شیئرز خریدنے کے لئے دلالوں سے رابطہ کرنا پڑتا ہے اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درج ذیل صورتوں کے مطابق ان کے ذریعے شیئرز خریدے جاتے ہیں:

۱۔ مارکیٹ آرڈر (Market Order): یعنی دلال سے یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کمپنی کے شیئرز مارکیٹ ریٹ پر خرید دو اور اس کام کی دلال کو برائے نام کمیشن دے دی جاتی ہے جبکہ دلال شیئر سرٹیفکیٹ متعلقہ شخص کے حوالے کر دیتا ہے۔

۲۔ لمیٹڈ آرڈر (Limited Order): یعنی دلال کو ایک طے شدہ قیمت بتائی جائے کہ اس قیمت میں فلاں کمپنی کے شیئرز جب ممکن ہوں خرید دو اور اس سے زیادہ قیمت نہ دی جائے۔

۳۔ سٹاپ آرڈر (Stop Oreder): شیئرز کا مالک اپنے شیئرز فروخت کرنا چاہتا ہے، وہ دلال کو کہتا ہے کہ اگر اس کی قیمت فلاں نرخ سے گرنے لگے تو اسے بیچ دینا اور اگر بحال رہے یا بڑھنے لگے تو پھر اسے فروخت نہ کرنا اور اس کام کے لئے دلال کو طے شدہ کمیشن دی جاتی ہے۔

۴۔ شارٹ سیل آرڈر (Short Sale Order): یہ دراصل 'بیع غیر مملوک' کے مشابہ صورت ہے یعنی بعض اوقات دلال ایسے شیئرز کا سودا کر لیتا ہے جو اس کی ملکیت میں موجود نہیں ہوتے البتہ اسے یہ قوی امید ہوتی ہے کہ سودا ہو جانے کے بعد میں یہ شیئرز لے کر خریدار کو دے دوں گا اور اپنی کمیشن وصول کر لوں گا۔

سٹاک ایکسچینج میں حاضر اور غائب سودے

بعض سٹاک مارکیٹوں میں شیئرز اور بعض میں اجناس کی خرید و فروخت دو طریقوں سے ہوتی ہے۔ ایک کو حاضر سودا (Spot Sale) اور دوسرے کو غائب سودا (Future/Forward Sale) کہا جاتا ہے۔

(i) حاضر سودا : (Spot Sale): حاضر سودے کا معنی یہ ہے کہ سٹاک مارکیٹ سے شیئرز یا اجناس یا کوئی اور اشیا نقد و نقد خریدی جائیں اور ان کی قیمت ادا کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے فوراً قبضہ حاصل کرلیا جائے یا ان کے نفع ونقصان کی ذمہ داری اور حقوق کی منتقلی فوراً خریدار کو حاصل ہوجائے خواہ کاغذی قبضہ انتظامی رکاوٹوں کی وجہ سے کچھ دنوں تک ملتوی ہی کیوں نہ ہوجائے۔

(ii) غائب سودا: غائب سودے کی صورت یہ ہے کہ شیئرز یا اجناس کی خرید وفروخت (بیع) تو ہوجائے مگر عملی یا حکمی قبضے کی تاریخ آئندہ کسی وقت کے لئے ملتوی کردی جائے۔ اسے اگرچہ Future- Sale اور Forward-Sale بھی کہتے ہیں مگر بازار حصص میں ان دونوں کے درمیان فرق کیا جاتا ہے۔ یعنی Forward-Sale تو وہ ہے جس میں فی الواقع خریدار کا مقصد خریدنا اور فروخت کنندہ کا مقصد بیچنا ہو اور اگر جانبین کا مقصد مقررہ تاریخ پر لینا، دینا نہ ہو بلکہ جنس کو محض بنیاد بنا کر مقررہ تاریخ پر آپس کا فرق (Difference) برابر کرنا مقصود ہو تو اسے Future Sale کہا جاتا ہے۔ ایسا دو وجوہات کی بنا پر کیا جاتا ہے:

ا) سٹہ/جوا (Speculation): اسے آپ یوں سمجھئے کہ زید یکم جنوری کو عمر کے ہاتھ 10 روپے فی شیئر کے حساب سے کچھ شیئرز بیچتا ہے اور قبضہ کی تاریخ یکم فروری مقرر کرلی جاتی ہے مگر جب یکم فروری آتی ہے تو اسی شیئر کی قیمت بڑھ کر 13 روپے ہوجاتی ہے تو اب زید، عمر کو 3 روپے فی شیئر کے حساب سے رقم دے دیتا ہے اور شیئرز نہیں دیتا کیونکہ شیئرز کی خرید وفروخت کی تو پہلے ہی نیت نہ تھی بلکہ نیت صرف یہ تھی کہ اگر اس کمپنی کے شیئر کی قیمت فلاں تاریخ کو بڑھ گئی تو خریدار کو اتنے فیصد اضافہ دے دیا جائے گیا اور اگر اس تاریخ کو نقصان ہوجائے تو خریدار سے اتنے فیصد الٹا وصول کرلیا جاتا ہے۔ گویا یہ قسمت لڑانے کا کھیل ہے جسے 'جوا' کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ سٹاک مارکیٹ میں یہی جوا، شیئر کی جگہ دیگر اشیاء اور اجناس کو بنیاد بنا کر بھی کھیلا جاتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲) پیشگی تحفظ: دوسرا مقصد ممکنہ نقصان سے بچاؤ ہوتا ہے جسے ہیجنگ (Hedging) کہا جاتا ہے۔ اس میں شیئرز یا مقررہ جنس کی فی الواقع خرید و فروخت مطلوب ہوتی ہے، جو امقصود نہیں ہوتا۔ لیکن خریدار کسی ممکنہ نقصان سے بچنے کے لئے انہی شیئرز یا جنس کو مستقبل کی اسی تاریخ پر آگے فروخت کر دیتا ہے اور اگر اسے پچھلے فروخت کنندہ سے نقصان پہنچے تو دوسری طرف اگلے خریدار سے وہ اتنا ہی نفع وصول کر کے نقصان برابر کر لیتا ہے مثلاً: عمر یکم جنوری کو 10 روپے فی شیئر کے حساب سے زید کو 100 شیئرز بیچتا ہے اور قبضے کی تاریخ یکم مارچ طے پاتی ہے۔ اب زید کو خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں یکم مارچ کو ان شیئرز کی ویلیو کم نہ ہو جائے چنانچہ وہ نقصان سے بچنے کے لئے اسی قیمت پر اتنے ہی شیئرز یکم مارچ کی تاریخ پر بکر کو بیچ دیتا ہے چنانچہ اگر یکم مارچ کو زید کو عمر سے خریدے ہوئے شیئرز میں نقصان ہوتا ہے اور فی شیئر 9 روپے رہ جاتا ہے تو وہ اسی 9 روپے کے شیئر کو 10 روپے کے حساب سے آگے بکر کو فروخت کر دیتا ہے کیونکہ بکر سے اس نے اسی ریٹ پر پیشگی بیع کر رکھی تھی اور اس طرح زید اس متوقع نقصان سے بچ نکلتا ہے۔

حصص کی اقسام

بنیادی طور پر حصص کی تین قسمیں ہیں: ایک ابتدائی حصص، دوسری دورانی حصص اور تیسری ترجیحی حصص۔

ابتدائی حصص:

جب کوئی بڑا کاروباری ادارہ (کمپنی) وجود میں آتا ہے تو اس کی تشکیل سے پہلے ایک ابتدائی رپورٹ تیار کی جاتی ہے جس میں یہ طے کیا جاتا ہے کہ اس کاروبار کے چلنے کے امکان کس حد تک ہیں؟ اس کے لئے کتنے وسائل اور سرمایہ مطلوب ہوگا؟ اس کے نفع و نقصان کی کیا کیا صورتیں متوقع ہیں؟..... اسے فزیبلٹی رپورٹ (Feusibility

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Report کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کمپنی کا اجتماعی ڈھانچہ (Memorandum) تشکیل دیا جاتا ہے اور کمپنی کے انتظامی قواعد Articles of Association طے کئے جاتے ہیں۔ پھر حکومتی ادارے (کارپوریٹ لاء اتھارٹی) کے سامنے ان چیزوں کو پیش کرکے اجازت نامہ حاصل کیا جاتا ہے اور اب اگر وہ کمپنی دیگر لوگوں کو اپنے ساتھ شریک کرنا چاہتی ہے تو اس کے لئے قانوناً ضروری ہے کہ وہ اپنے طریق کار اور متعلقہ امور سے لوگوں کو مطلع کرنے کے لئے تعارفی تحریر (Prospectus) جاری کرے۔

اس تعارفی تحریر کے مطابق اگر کمپنی کے اثاثہ جات کی مالیت ایک لاکھ روپے ہے تو وہ شروع ہی میں ایک لاکھ کے حصص جاری Float کرتی ہے، اب حسب حیثیت لوگ اس کے حصص خرید کر کمپنی کے حصہ دار بن جاتے ہیں۔ اسے آسان لفظوں میں یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک شخص نے فیکٹری لگانی ہے جس کے لئے اسے ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہے، وہ اپنا مکمل پروگرام چند لوگوں کے سامنے رکھتا ہے اور 9 آدمی اس سے اتفاق کرتے ہوئے 10,10 ہزار کے حصص خرید کر رقم اس شخص کے حوالے کردیتے ہیں۔ اب 90 ہزار ان کے اور 10 ہزار اصل مالک کے ملا کر ایک لاکھ کی رقم جمع ہوچکی ہے۔ اس نقدی سرمائے کو 'سیال سرمایہ' Liquid Assets کہا جاتا ہے اور جب اس نقدی سرمائے سے مشینری، خام مال وغیرہ خرید لیا جائے تو پھر اسے منجمد سرمایہ (Fixed Asset) کا نام دیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اثاثہ جات کی ایک تیسری صورت غیر مادی اثاثوں (Intangible Asset) کی بھی ہے مثلاً کسی سامان کی ویلیو اور گڈوِل وغیرہ

دورانی حصص:

دورانی حصص سے مراد وہ حصص ہیں جو پہلے سے چلتی ہوئی کمپنی (کاروباری ادارے) کے ہوتے ہیں اور کمپنی کسی ضرورت کے تحت دوران سال انہیں فروخت کے لئے پیش کردیتی ہے۔ اس کی مثال وہی ہے جو شیئرز کی تعریف کے ضمن میں ہم عرض

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر چکے ہیں۔ تاہم اس صورت میں کمپنی کے اثاثہ جات منجمد (Fixed Assets) شکل اختیار کئے ہوتے ہیں۔

ترجیحی حصص:

ترجیحی حصص (Preference Share): کسی جوائنٹ سٹاک کمپنی کا حصہ دار بن کر نفع وصول کرنے یا اس کمپنی کی پالیسی پر اثر انداز ہونے کے اعتبار سے حصص کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ عام حصص جنہیں (السهم العادی/Ordinary Share) کہا جاتا ہے۔ اس کی تفصیلات وہی ہیں جو عام حصص کے طور پر گذشتہ صفحات میں درج کی جا چکی ہیں۔ جبکہ دوسری قسم ان خاص حصص کی ہے جنہیں ترجیحی حصص (السهم الممتاز/Preference Share) کہا جاتا ہے اور جو شخص یہ حصص خریدتا ہے اسے عام شیئر ہولڈرز پر ترجیح دی جاتی ہے اور اس ترجیح کی مزید کئی ایک صورتیں ہیں مثلاً:

۱) جو شخص ترجیحی حصص خریدتا ہے اسے نفع/نقصان کی بنیاد پر شریک کرنے کی بجائے صرف نفع کی بنیاد پر شریک کیا جاتا ہے یعنی کمپنی کو خواہ نفع ہو یا نقصان، ترجیحی حصہ دار کو اس کا طے شدہ نفع مقرر وقت پر ملتا رہے گا۔ جسے دوسرے لفظوں میں 'سود' بھی کہا جا سکتا ہے۔

۲) اسی طرح ترجیح کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ جو شخص ترجیحی حصص خریدتا ہے اسے کمپنی کے سالانہ اجلاس میں ووٹ دینے یا اپنی رائے منوانے میں بھی ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

۳) اسی طرح ترجیح کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ ترجیحی حصص کا نفع عام حصص کی نسبت زیادہ مقرر کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ترجیح کی کئی شکلیں ہو سکتی ہیں۔

واضح رہے کہ ترجیحی حصص کو جاری کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے کہ بعض اوقات کمپنی کو زیادہ سرمائے کی ضرورت پڑتی ہے اور کسی پارٹی سے بڑی رقم لینے کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے انہیں کچھ مراعات بھی دینا پڑتی ہیں اور یہ مراعات ترجیحی حصص کی 'ترجیحات' کے طور پر پیش کردی جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں کمپنی اپنے مفادات کے پیش نظر ان ترجیحات میں بھی تبدیلیاں کرتی رہتی ہے۔

شیئرز کی خرید وفروخت کی مروجہ صورتیں:

شیئرز کی خرید وفروخت کی مروجہ صورتیں درج ذیل ہیں:

۱) براہ راست خریداری:

اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی کمپنی اپنے حصص فروخت کرنے کے لئے اخبار میں اشتہار دے دیتی ہے کہ ہم اپنے حصص براہ راست فروخت کررہے ہیں۔ چنانچہ حصص خریدنے والے کمپنی کے دفاتر یا کمپنی کے نامزد کردہ مقامات (بنک وغیرہ) اور متعلقہ افراد سے مل کر براہ راست حصص خرید لیتے ہیں۔

۲) حصہ دار (Share Holder) سے خریداری:

ایک شخص کسی کمپنی کے حصص 50 ہزار روپے میں خریدتا ہے اب ایک دو ماہ بعد اسے رقم کی فوری ضرورت پڑ جاتی ہے لیکن متعلقہ کمپنی سے اسے وہ رقم حسب طلب نہیں مل سکتی ،اس لئے کہ وہ رقم چالو کاروبار میں لگی ہوئی ہے اور کمپنی اسے وہ رقم صرف اسی وقت واپس دے سکتی ہے جب کمپنی تحلیل ہوجائے، اب اگر کوئی اور شخص اس سے 50 ہزار روپے کے حصص خریدلے تو پہلے شخص کی جگہ یہ نیا شخص کمپنی کا حصہ دار اور نفع ونقصان میں شریک بن جائے گا اور اصل کمپنی میں بھی پہلے شخص کی جگہ اس کا نام آجائے گا۔

۳) ایکسچینج مارکیٹ سے خریداری:

حصص کی خرید وفروخت کی تیسری اور سب سے مرکزی صورت یہ ہے کہ ہر شہر میں مخصوص مقامات کا تعین کردیا جاتا ہے تاکہ مختلف کمپنیاں اپنے حصص کا تبادلہ اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خرید وفروخت بآسانی کرسکیں۔ ان مقامات کو بازار حصص یا ایکسچینج مارکیٹ کہا جاتا ہے۔ بازار حصص میں خرید وفروخت کا کام ایجنٹوں (بروکروں) کے ذریعے ہوتا ہے۔ یہ کس طرح ہوتا ہے اس کی تفصیل ''بازار حصص اور دلالی'' کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

خریدار حصص کی قسمیں:

شیئرز خریدنے والے (Shares Holders) بنیادی طور پر دو طرح کے ہوتے ہیں:

۱) نفع رنقصان کی بنیاد پر شرکت کرنے والے

۲) شیئرز کو مال تجارت بنا کر ان کی خرید وفروخت کرنے والے

۱) پہلی صورت کے مطابق شیئرز خریدنے والے بنیادی طور پر متعلقہ کمپنی رکاروباری ادارے کے کاروبار میں شرکت کی غرض سے اس کے شیئرز خریدتے ہیں اور مضاربت کی بنیاد پر کمپنی کے سالانہ نفع رنقصان میں حصہ دار بنتے ہیں۔

۲) دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی کمپنی کے شیئرز خرید لئے جائیں اور جب ان پر منافع مل رہا ہو تو منافع کی بجائے انہی شیئرز کو زیادہ قیمت پر فروخت کردیا جائے۔ گویا اس صورت میں شیئرز کو بذات خود مال تجارت سمجھ کر خریدا اور فروخت کیا جاتا ہے۔ اس غرض سے شیئرز خریدنے والے عام طور پر سٹاک مارکیٹ پر نظر رکھتے ہیں اور مختلف کمپنیوں کے اتار چڑھاؤ پر اندازے لگاتے رہتے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ کسی کمپنی کے حصص آئندہ چند دنوں میں مہنگے داموں بکیں گے تو وہ پہلے ہی انہیں سستے داموں خرید لیتے ہیں پھر قیمت بڑھنے کے بعد نفع پر بیچ دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی کمپنی کے حصص بہت ارزاں ہوجائیں تو انہیں بھی اس نیت سے خرید لیا جاتا ہے کہ قیمت بڑھنے پر انہیں فروخت کردیا جائے گا۔ واضح رہے کہ اس صورت میں شیئرز کی قیمت بڑھنے سے جو نفع حاصل ہوتا ہے اسے کیپٹل گین (Capital Gain) کہا جاتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے علاوہ جو کمپنیاں ترجیحی حصص جاری (Flote) کرتی ہیں وہاں خریدار حصص کی ایک تیسری قسم بھی ہوسکتی ہے یعنی ترجیحی بنیادوں پر حصص کی خریداری۔ عام طور پر ان حصص کو اس لئے خریدا جاتا ہے کہ ان میں نقصان اور خسارے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا اور خریدار کو وقت مقررہ پر طے شدہ نفع (سود) ملتا رہتا ہے۔

شیئرز کا کاروبار اور شرعی حدود وضوابط

جوائنٹ سٹاک کمپنیوں کی شرعی حیثیت

شیئرز کے کاروبار سے پہلے ہمیں ان جوائنٹ سٹاک کمپنیوں کے وجود پر از روئے شریعت بحث کرنا ہوگی کہ جن کی تشکیل سے آگے حصص وغیرہ کے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اگر تو ان کمپنیوں کی تشکیل ہی غیر شرعی بنیادوں پر ہوتی ہے تو پھر اس کی فروعات کے جواز وعدم جواز کی بحث کا دروازہ کھولنے کی ضرورت ہی نہیں۔ لیکن اگر ان کی تشکیل میں شرعی ضوابط کی کہیں خلاف ورزی نہ ہو رہی ہو تو پھر ان کی دیگر جزئیات کو زیر بحث لانا چاہئے۔

کمپنی کی تشکیل کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اس کی فزیبلٹی رپورٹ، انتظامی ڈھانچہ اور جنرل پراسپیکٹس اگر صراحت کے ساتھ یہ بتا رہا ہے کہ کمپنی شراب کشید کرے گی یا حرام وممنوع مصنوعات کی خرید وفروخت یا ان کی تیاری اور سپلائی وغیرہ سے متعلق کوئی کام انجام دے گی یا سودی لین دین کرے گی تو پھر ایسی کمپنی کا وجود ہی سرے سے باطل ہے کیونکہ مذکورہ چیزیں از روئے شریعت حرام ہیں اور حرام کی بنیاد پر کوئی کاروباری ڈھانچہ کھڑا کرنا ممنوع، اس سے کسی قسم کا تعاون کرنا حرام اور اس سے فائدہ اٹھانا کارگناہ ہے۔ لہٰذا ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا بھی از خود حرام قرار پائے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اگر کوئی کمپنی حلال اور جائز کاروبار کے لئے تشکیل پائے تو پھر اس کی تشکیل اور وجود کو غیر شرعی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ شراکت ومضاربت ہی کی بنیادوں پر اسے جائز قرار دیا جائے گا۔ اگرچہ مضاربت اور جوائنٹ سٹاک کمپنیوں میں من کل الوجوہ مشابہت نہیں پائی جاتی مثلاً:

☆ مضاربت میں گنے چنے افراد حصہ دار ہوتے ہیں اور کمپنی میں حصہ داروں کی تعداد غیر محدود ہوتی ہے۔

☆ مضاربت میں افراد کی موجودگی وشرکت ایک دوسرے سے مخفی نہیں ہوتی مگر 'کمپنی' میں شرکاء کی اکثریت اور آئے روز تبدیلی کی وجہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کون کون فرد شریک ہے۔

☆ مضاربت میں شرکاء کے لئے عندالضرورت اپنے حصے واپس لینے کی گنجائش ہوتی ہے مگر کمپنی میں وسعت کاروبار کی وجہ سے براہ راست یہ گنجائش نہیں ہوتی تاہم اس کے بدل کے طور پر حصص فروخت کرنے کی سہولت میسر ہوتی ہے۔

☆ مضاربت میں شرکاء کو براہ راست کاروبار یا اثاثہ جات میں تصرف (خرید وفروخت وغیرہ) کا اختیار ہوتا ہے اور ہر ایک شریک برابر کا ذمہ دار ہوتا ہے مگر کمپنی کے طریق کار میں حصہ دار ہونے کے باوجود کسی شخص کو کمپنی کے اثاثہ جات میں تصرف کا حق نہیں ہوتا بلکہ تصرف کا اختیار صرف اسے ہوتا ہے جس کے پاس نصف سے زائد حصص ہوں۔ کیونکہ ہر شخص کو اگر تصرف کا حق دے دیا جائے تو پھر یہ وسیع کاروبار کامیابی سے چل نہیں سکتا۔ تاہم ہر شخص کا حصہ نفع ونقصان کی بنیاد پر محفوظ ہوتا ہے اور کمپنی کے تحلیل ہونے کی صورت میں اسے اپنا حصہ واپس لینے یا قبل از تحلیل اسے آگے بیچنے کا مکمل اختیار بھی اسے حاصل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی جوائنٹ سٹاک کمپنیوں کے وسعت کاروبار اور انتظامی پیچیدگیوں کی وجہ سے بعض ایسے حدود وضوابط مقرر کئے جاتے ہیں جو عام طور پر مضاربت کی قدیم صورتوں میں موجود نہیں ہوتے اور یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے محض اسی وجہ سے کمپنی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مذکورہ طریق کار کو حرام تک کہہ دیا کہ اس میں مضاربت کی وہ تمام صورتیں موجود نہیں جو ماضی میں مروج تھیں اور جن کی فقہائے اسلام نے الگ الگ جزئیات پر مختلف پہلوؤں سے بحث کی ہے! حالانکہ

۱۔ اول تو کمپنی کا مذکورہ طریق کار متقدم فقہا کے دور میں پیدا نہیں ہوا تھا ورنہ وہ ضرور اسے جواز اور عدم جواز کے حوالے سے محل بحث بناتے۔

۲۔ اور دوم یہ کہ کمپنی کا مذکورہ طریقہ مضاربت ہی کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے اور اس میں اگر جزوی طور پر بعض چیزوں کا معروف طریقۂ مضاربت سے فرق ہے تو وہ محض انتظامی وجوہات کی بنا پر ہے اور ان میں کوئی ضرر کا پہلو بھی نہیں۔

۳۔ سوم یہ کہ جہاں جہاں مضاربت اور کمپنی کے طریق کار میں فرق ہے وہاں وہاں کمپنی کے طریق کار میں جائز متبادل موجود ہیں۔

۴۔ چہارم یہ کہ کمپنی کے طے شدہ اور مروج طریق کار میں کوئی ایسا ضابطہ اور شرط موجود نہیں جسے خلاف شریعت قرار دیا جاسکے اور حدیث نبوی ہے:

"من اشترط شرطا ليس في كتاب الله فهو باطل"(۱)

"جس نے کوئی ایسی شرط طے کی جو اللہ کی کتاب کے منافی ہو، وہ شرط باطل ہے۔"

گویا معاملات (کاروبار وغیرہ) میں صرف وہی شرائط باطل قرار پائیں گی جو کتاب وسنت کے منافی ہوں۔ اور اگر کوئی شرط کتاب وسنت کے منافی ثابت نہ ہو تو پھر اسے باطل قرار دینے کی کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔

---

(۱) [بخاری: کتاب المکاتب: باب المکاتب ونحومه۔۔۔۔۔(۲۵۶۰)]

اس سلسلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی یہ بات قابل توجہ ہے کہ

"ان الاصل فی العقود والشروط الجواز والصحة ولا یحرم منها ویبطل الا ما دل الشرع علی تحریمه وابطاله نصا او قیاسا عند من یقول به، عقود اور شرائط میں اصل حالت جواز اور درستگی کی ہے، لہذا ان میں سے کسی بھی چیز کو اس وقت تک حرام اور باطل قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ اس کی حرمت اور ابطال پر کوئی نص (دلیل) نہ مل جائے یا جو اہل علم قیاس کے قائل ہیں، ان کے بقول قیاس کی رو سے اس کی حرمت ثابت نہ ہو جائے۔" (مجموع الفتاوی: جلد ۱۵/ص ۷۲۔ط۔ جدید)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ پنجم یہ کہ خرید وفروخت کا تعلق 'معاملات' سے ہے اور فقہا کے ہاں یہ قاعدہ مسلم ہے کہ معاملات میں اصل 'حلت' ہے الا یہ کہ حرمت کے بارہ میں کوئی صریح دلیل موجود ہو۔ لہذا جس چیز کی صریح دلیل مل جائے اسے ہی حرام کہا جاسکتا ہے۔

وسیع تر کاروبار کے لئے جوائنٹ سٹاک کمپنیوں کی تشکیل جن بنیادوں پر کی جاتی ہیں ان میں کہیں کوئی ایسی چیز نہیں جسے خلاف شرع قرار دیا جاسکے ماسوائے اس صورت کے کہ کمپنی حرام یا سودی کاروبار کے لئے تشکیل دی جائے۔ گویا اگر حرام کاروبار کے لئے کمپنی تشکیل دی جائے یا بعد میں کسی وقت حرام اور سودی کاروبار میں ملوث ہو جائے تو پھر ایسی کمپنیوں کے حصص خریدنا سراسر ناجائز ہے ورنہ انہیں ناجائز کہنے کی اور کوئی معقول وجہ موجود نہیں۔

شیئرز کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

شیئرز کی تعریف میں یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ شیئرز بنیادی طور پر اس بات کی دستاویز ہے کہ فلاں کمپنی کے اثاثہ جات میں شیئرز ہولڈر کی اپنے شیئرز کے بقدر ملکیت ہے گویا شیئر سرٹیفکیٹ بذات خود ایک کاغذ کا پرزہ ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں بلکہ اس کی پشت پر جو اثاثے اور املاک ہیں وہ اصل چیز ہیں اور یہ شیئرز کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں ملکیت کی متناسب نمائندگی کرتے ہیں اور ان کی خرید وفروخت دراصل کمپنی کے اثاثوں میں سے متناسب ملکیت کی خرید وفروخت ہے اور کسی بھی کمپنی کے اثاثے مختلف صورتوں میں ہوتے ہیں مثلاً جامد اثاثے، مشینری، سامان تجارت، نقدی، قرض، قابل وصول رقم وغیرہ۔ اس لئے جن اصول وضوابط کے تحت کمپنی سے متعلقہ مذکورہ اشیاء کی خرید وفروخت جائز یا ناجائز قرار دی جاسکتی ہے انہی صورتوں کا اطلاق ان چیزوں کی نمائندگی کرنے والے سرٹیفکیٹس (یعنی شیئرز) کی خرید وفروخت پر ہوگا، لیکن اگر کسی کمپنی کے شیئرز کی پشت پر کسی قسم کے اثاثہ جات ہی نہ ہوں تو ان کی خرید وفروخت 'جوا' ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گذشتہ صفحات میں شیئرز کی اقسام کے ضمن میں شیئرز کی خرید وفروخت کی تین صورتیں ذکر کی گئی تھیں یعنی (۱) ابتدائی شیئرز کی خریداری (۲) دورانی شیئرز کی خریداری (۳) اور ترجیحی شیئرز کی خریداری:

ذیل میں ان سے متعلقہ صورتوں کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالی جاتی ہے:

(۱) ابتدائی شیئرز کی خریداری

ابتدائی شیئرز کی خریداری کی واقعاتی صورت سے متعلقہ تفصیلات پیچھے گزر چکی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ وہ شیئرز جو کسی کمپنی کے قیام کے وقت فروخت (Float) کئے جاتے ہیں، انہیں ابتدائی شیئرز کہا جاتا ہے مثلاً ایک شخص پرنٹنگ پریس لگانا چاہتا ہے جس کے لئے اسے 5 لاکھ روپے کی ضرورت ہے۔ وہ اس رقم کو حصص میں تقسیم کرتا ہے اور ہر حصہ دس روپے کے بقدر طے کر کے کل 50 ہزار حصص بنا لیتا ہے۔ اب اس شخص کے کاروبار کی تفصیلات (پراسپیکٹس) پڑھ کر بعض لوگ اس کے ساتھ شرکت کرنا چاہتے ہیں تو یہ شخص فی حصہ دس روپے کے حساب ہی سے فروخت کرے تو جائز ہے کیونکہ ہر حصہ کی طے شدہ قیمت (جسے Face Vale بھی کہتے ہیں) 10 روپے ہی ہے۔

اور دس کی بجائے اگر گیارہ یا اس سے زائد میں فروخت کرے گا تو وہ زائد رقم سود شمار ہوگی۔ اس لئے کہ مذکورہ شخص (یا کمپنی) نے ابھی کاروبار شروع ہی نہیں کیا، نہ رقم سے مال خریدا ہے، نہ آلات، مشینری اور دیگر لوازمات کی فراہمی کی ہے اس لئے وہ اپنے متناسب حصص کو زیادہ داموں پر بیچنے کا مجاز نہیں کیونکہ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے 10 روپے کے عوض 12,11 روپے حاصل کر لئے جائیں! اور یہ سود ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ایک ہی کرنسی کی کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت (بیع) سے منع کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت عثمان بن عفانؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

''لاتبیعوا الدینار بالدینارین ولا الدرھم بالدرھمین''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ایک دینار کو دو دیناروں کے عوض اور ایک درھم کو دو درھموں کے عوض نہ بیچو''(۱)

لہذا جس طرح 10 روپے کے عوض 12 روپے وصول کر لینا سود ہے۔ اسی طرح کمپنی کے ابتدائی حصص کو متناسب ملکیت سے زائد میں فروخت کرنا سود ہے اور جب تک کمپنی (یا متعلقہ مالک) کاروبار شروع نہیں کر دیتا تب تک ان حصص پر منافع نہیں لیا جا سکتا۔ ورنہ یہ نقدی کی نقدی کے ساتھ بیع والی وہ صورت بن جائے گی جس سے مذکورہ حدیث میں منع کیا گیا ہے۔

(۲) دورانی حصص کی خرید وفروخت

دورانی حصص سے مراد کسی کمپنی کے وہ حصص ہیں جو اس کمپنی کے کاروبار شروع کر دینے کے بعد کسی وقت فلوٹ کئے جاتے ہیں یا یوں سمجھئے کہ پہلے سے چالو کوئی کمپنی شرکا (پاٹنرز) حاصل کرنے کے لئے کچھ حصص فروخت کے لئے پیش کر دے۔ ایسی صورت میں شیئرز کی خرید وفروخت میں کمی بیشی بعض ضمنی شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ اس کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

(۱) [مسلم: کتاب المساقاۃ: باب تحریم بیع الخمر۔۔۔(۱۵۸۵،۱۵۹۵) اس نوعیت کی بہت سی روایات کتب احادیث میں موجود ہیں، مثلاً: حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ

"ینھی عن بیع الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ۔۔۔الاسواء بسواء عینا بعین فمن زاد أو ازداد فقد أربی" (مسلم: کتاب المساقاۃ: باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقدا حدیث ۱۵۸۷)

''میں نے اللہ کے رسولؐ سے سنا، آپؐ اس بات سے منع فرمایا کرتے تھے کہ سونے کو سونے یا چاندی کو چاندی سے (کمی بیشی کے ساتھ) بیچا جائے، البتہ یہ کر لیا جائے کہ ان کا تبادلہ برابری اور نقد ونقد حالت میں کیا جائے (یعنی جتنا سونا ایک طرف سے لیا جا رہا ہے اتنا ہی اس کے عوض دوسری طرف سے دیا جائے) لیکن جس نے زیادہ دیا یا زیادہ کا مطالبہ کیا اس نے سودی معاملہ کیا (البتہ اگر ایک طرف سونا اور دوسری طرف چاندی یا کوئی اور جنس ہو تو پھر کمی بیشی جائز ہے)۔

اسی مفہوم کی دیگر روایات کے لئے دیکھئے:

بخاری: (۲۱۷٤) ابو داؤد (۳۳٤۸) ترمذی (۱۲٤۳) نسائی (٤٥٥۸) مؤطا (۶۳۶/۲) مسند احمد (۲٤/۱، ٤٥۔ ۵۳/۳۔ ۳۱٤/۵) ابن ماجہ (۲۲۵۳)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک کمپنی نے ایک لاکھ روپے سے اپنا کاروبار شروع کیا۔ پھر ترقی کرتے کرتے اس کی کل مالیت ایک لاکھ کی بجائے 10 لاکھ ہوگئی اب وہ شیئرز فروخت کر کے کچھ لوگوں کو اپنا 'حصہ دار' بنانا چاہتی ہے۔ چنانچہ وہ ایک شیئر 10 روپے کا مقرر کر کے ایک لاکھ شیئر بنا لیتی ہے جس میں سے کچھ شیئرز 10 روپے فی شیئر کے حساب سے چند لوگ خرید لیتے ہیں اور 10 لاکھ کے اثاثے اور املاک رکھنے والی کمپنی کی ملکیت میں اپنے شیئرز کی مناسبت سے حصہ دار بن جاتے ہیں۔ اب کمپنی کے 10 لاکھ روپے کے کاروبار کی صورت حال یہ ہے کہ اس میں سے کچھ رقم عمارت، فرنیچر اور مشینری وغیرہ میں خرچ کی گئی ہے، کچھ رقم کا خام اور کچھ کا تیار مال موجود ہے، کچھ رقم مال بیچنے کے عوض لوگوں سے وصول کرنی ہے، کچھ رقم کمپنی نے قرض بھی لے رکھی ہے، علاوہ ازیں کچھ رقم کمپنی کے اکاؤنٹ میں نقد کی حیثیت سے بھی موجود ہے۔ اب جو شخص اس کمپنی کے حصص خریدتا ہے وہ دراصل اس کمپنی کے مذکورہ بالا جملہ معاملات میں حصص کی متناسب ملکیت کے حساب سے شریک ہو جاتا ہے، خواہ اس کی شراکت کتنی ہی معمولی حصے کے بقدر ہی کیوں نہ ہو۔ اسے جدول سے سمجھئے:

کمپنی کا کل سرمایہ	1,0000,000 ایک کروڑ روپے
جگہ کی خریداری اور عمارت کی تعمیر وغیرہ پر خرچہ	40,00000 روپے
مشینری کی خریداری پر خرچہ	20,00000 روپے
خام اور تیار شدہ مال	20,00000 روپے
قابل وصول رقم	1,00000 روپے
اکاؤنٹ میں موجود نقد رقم	1,00000 روپے
کل/ٹوٹل رقم	1,0000,000 ایک کروڑ روپے

مذکورہ بالا فرضی مثال میں کمپنی کا کل سرمایہ پانچ حصوں میں تقسیم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کمپنی کے شیئرز ہولڈرز کا سرمایہ بھی ان کے حصص کے بقدر اسی شرح سے ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچوں حصوں میں تقسیم شدہ مانا جائے گا۔ مثلاً زید نے ایک شیئر دس روپے کے حساب سے خریدا ہے تو پانچوں چیزوں میں اس کی شرکت کی نوعیت یہ ہوگی:

ایک شیئر کی قیمت	10روپے
جگہ وعمارت کی خریداری میں حصہ	4روپے
مشینری وغیرہ کی خریداری میں حصہ	2روپے
خام اور تیار شدہ مال میں حصہ	2روپے
قابل وصول مال میں حصہ	1روپیہ
اکاؤنٹ میں موجود مال میں حصہ	1روپیہ
کل رٹوٹل رقم	10روپے

اب اگر زید اپنا شیئر پندرہ روپے کے حساب سے آگے بیچنا چاہتا ہے تو وہ شرعاً ایسا کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ یہ منافع سامان تجارت پر وصول کرے، نقدی پر وصول نہ کرے۔ اسے درج ذیل جدول سے سمجھئے:

جگہ وعمارت کی خریداری میں زید کا حصہ تھا	4روپے
مشینری کی خریداری میں زید کا حصہ	2روپے
مال کی تیاری میں زید کا حصہ	2روپے
قابل وصول رقم میں زید کا حصہ	1روپیہ
کمپنی کے اکاؤنٹ میں زید کا حصہ	1روپیہ
کل	10روپے
زید نے قابل وصول ایک روپیہ فروخت کیا	1روپیہ میں
زید نے نقد سرمائے والا ایک روپیہ فروخت کیا	1روپیہ میں
عمارت، مشینری اور مال منافع پر فروخت کیا:	13روپے
کل رقم جس پر زید نے اپنا حصہ فروخت کیا:	15روپے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گویا زید نے جو منافع وصول کیا ہے وہ نقدی پر نہیں بلکہ سامان تجارت پر وصول کیا ہے جو شرعاً جائز ہے تاہم اگر وہ نقدی پر منافع وصول کرے تو وہ سود ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہوگا۔

دورانی حصص کی خرید وفروخت کی ناجائز صورت

دورانی حصص کی خرید وفروخت کی ہر وہ صورت ناجائز ہوگی جس میں نقدی (رقم) کے عوض کمی بیشی کی گئی ہو۔ مثلاً مذکورہ بالا مثال ہی میں زید کے 2 روپے نقدی کی شکل میں اور باقی 8 روپے اثاثوں کی شکل میں ہیں۔ اب 2 روپے پر کمی بیشی نہیں کی جاسکتی بلکہ 8 روپے میں کمی بیشی کرنا جائز ہے۔ اسے ایک اور مثال سے سمجھئے:

جگہ وعمارت کی کل قیمت	40,000 روپے
ہر شیئر ہولڈر کا حصہ	4 روپے
مشینری کی کل قیمت	20,000 روپے
ہر شیئر ہولڈر کا حصہ	2 روپے
موجود مال کی کل قیمت	20,000 روپے
ہر شیئر ہولڈر کا حصہ	2 روپے
کمپنی کا قابل وصول قرضہ	20,000 روپے
ہر شیئر ہولڈر کا حصہ	2 روپے
کمپنی کے اکاؤنٹ میں موجود رقم	60,000 روپے
ہو شیئر ہولڈر کا حصہ	6 روپے
کل ٹوٹل	1,60,000 روپے
ہر شیئر ہولڈر کا کل حصہ	16 روپے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ بالا مثال کے مطابق ہر شیئر ہولڈر کے فی کس حصہ (شیئر) کی قیمت سولہ (16) روپے ہے جن میں سے قابل وصول قرض کی قیمت 2 روپے اور اکاؤنٹ میں موجود 6 روپے، یعنی کل 8 روپے نقدی کی صورت میں اور باقی 8 روپے اثاثے کی صورت میں ہیں۔ اب اثاثے کے 8 روپے پر منافع لینا یا نقصان پر اسے بیچنا تو درست ہے مگر نقدی کی شکل میں موجود بقیہ 8 روپے پر نہ نفع لینا درست ہے اور نہ ہی اسے نقصان پر بیچا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ایک ہی کرنسی کی خرید وفروخت میں کمی بیشی از روئے شریعت جائز نہیں۔

یعنی فی کس حصہ جس کی قیمت 16 روپے ہے اسے اگر شیئر ہولڈر بیچنا چاہتا ہے یا کوئی شخص شیئر ہولڈر یا کمپنی سے اسے خریدنا چاہتا ہے تو قابل وصول قرض کے 2 روپے اور اکاؤنٹ میں موجود 6 روپے کی خرید وفروخت میں کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔ تاہم بقیہ 8 روپے جو اثاثہ جات کی شکل میں ہیں انہیں کمی بیشی کے ساتھ خریدا یا فروخت کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جگہ وعمارت، مشینری یا خام مال وغیرہ کی خرید وفروخت میں کمی بیشی جائز ہے۔ لہٰذا ویلیو بڑھنے کی صورت میں اس 8 روپے پر مزید نفع بھی وصول کیا جاسکتا ہے اور ویلیو کم ہونے کی صورت میں اسے نقصان پر بھی فروخت کیا جاسکتا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

جوائنٹ سٹاک کمپنیوں میں عام طور پر رقم کا ایک حصہ واجب الادا یا واجب الوصول قرض کی شکل میں بھی موجود رہتا ہے اور شیئر ہولڈرز کو بھی اپنے اپنے شیئرز کے تناسب سے خرید وفروخت میں اسے شامل رکھنا پڑتا ہے۔ جبکہ کتب احادیث میں ایک حدیث ملتی ہے جس میں ہے:

''ان النبیؐ نهی عن بیع الکالی بالکالی''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''یعنی نبی اکرم ﷺ نے ادھار کی بیع ادھار سے منع فرمائی ہے۔''(۱)

اس حدیث کے پیش نظر بعض اہل علم شیئرز کی خرید وفروخت کو ناجائز قرار دیتے ہیں کیونکہ اس میں قرض سے قرض کی بیع کا عنصر پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ محض ایک شبہہ ہے اور اس بنیاد پر شیئرز کی خرید وفروخت کو علی الاطلاق حرام قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ:

۱۔ اول تو یہ روایت ہی ضعیف ہے۔ (جیسا کہ حاشیہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔)

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ اصولی طور پر تو کمپنی کے اثاثہ جات کی خرید وفروخت ہوتی ہے جبکہ نقدی خواہ وہ قرض کی شکل میں ہو یا اکاؤنٹ کی صورت میں، ان کا تبادلہ بھی ضمنی طور پر ناگزیر ہوتا ہے۔ کیونکہ کمپنی شیئر ہولڈرز سے صرف اس وقت مکمل حساب کر کے مالی معاہدہ ختم کر سکتی ہے جب کمپنی تحلیل ہو جائے اور عام طور پر کمپنیاں جلد تحلیل نہیں ہوتیں جبکہ شیئر ہولڈرز کو شراکت ختم کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی رہتی ہے جس کا مداوا یہ کیا گیا کہ بازار حصص میں شیئرز کی نفع ونقصان پر خرید وفروخت کو ممکن بنا دیا گیا۔ اب کوئی شخص اپنے شیئرز فروخت کرتا ہے تو اسے اپنے شیئرز کے تناسب سے کمپنی کے اکاؤنٹ میں موجود رقم اور واجب الوصول یا واجب الادا قرض کی ذمہ داری بھی دوسرے کو سونپنا ہوتی ہے اور دوسرا شخص بھی رضا مندی سے اس ذمہ داری کو بھی قبول کرتا ہے۔ گویا یہ صورت بنیادی طور پر 'حوالہ' کی ہے جسے شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔ واضح رہے کہ حوالہ یہ ہے کہ زید نے بکر سے قرض لیا اور جب قرض واپس کرنے کا وقت آیا تو زید نے بکر کو عمر نامی اپنے کسی دوست یا جاننے والے کے سامنے کر کے یہ وعدہ دلوا دیا کہ تم (یعنی عمر) اس (یعنی بکر کو) فلاں تاریخ تک اتنی رقم جو میں (یعنی زید) نے اس سے لی تھی اسے واپس دے دینا۔ لہٰذا اب بکر زید سے اپنا قرض نہیں مانگے گا بلکہ وہ عمر جس کا زید نے حوالہ

(۱) [السنن دار قطنی (ج۳/ص ۷۱) حاکم (۵۷/۲) السنن الکبری للبیهقی (۲۹۰/۵)]
واضح رہے کہ امام ابن عدیؒ اور بعض دیگر اہل علم نے موسیٰ بن عبیدہ نامی ایک ضعیف راوی کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (الکامل ج۶/ص ۲۳۳۵) اور بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں "نهى عن الدين بالدين، یعنی اللہ کے رسول نے قرض کی قرض کے ساتھ بیع (خرید وفروخت) سے منع فرمایا ہے۔'' دیکھئے: تلخیص الحبیر، لابن حجرؒ (۲۶/۳) نصب الرایة للامام زیلعیؒ (۴۰/۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا ہے ،اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کرے گا۔اور دو طرفہ رضامندی کے ساتھ ایسا کرنا شرعا جائز ہے جس کی دلیل یہ حدیث ہے:

''مطل الغنی ظلم فاذاأتبع احدکم علی ملیّ فلیتبع''(۱)

''(قرض کی ادائیگی میں) مالدار کی طرف سے ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور اگر تم میں سے کسی کا قرض کسی مالدار پر حوالہ دیا جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اس (حوالہ) کو قبول کرلے''

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ شیئرز کی خرید وفروخت میں قرض یا نقدی کی خرید وفروخت اصلاً نہیں کی جاتی بلکہ یہ تبعاً ناگزیر طور پر شامل ہوجاتی ہے جیسا کہ نمبر۲ کی تفصیلات سے واضح ہوتا ہے اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نقدی اور قرض وغیرہ کی بھی خرید وفروخت بعض صورتوں میں تبعا جائز ہوجاتی ہے مثلاً ایک حدیث میں ہے:

''من ابتاع عبدا و له مال فماله للذی باعه الا ان یشترط المبتاع''(۲)

''جس شخص نے کوئی ایسی غلام خریدا جس کے پاس مال بھی ہے تو وہ مال بیچنے والے (بائع) ہی کا ہے الا یہ کہ خریدنے والا (مشتری) اس کی شرط لگادے۔(کہ یہ مال بھی میرا ہوگا،تو پھر وہ اس غلام کے مال کا بھی حقدار ہوگا)''

(۱) [بخاری:کتاب الحوالات:باب الحوالة-----(۲۲۷۸)مسلم(۱۵٦٤)ابوداؤد (۳۳٤٥)ترمذی (۱۳۰۸)ابن ماجه(۳٤۰۳)نسائی(۳۱٦/۷)شرح السنة(۲۱۰/۸)]

(۲) [بخاری:کتاب المساقاة:باب الرجل یکون له ممر أو شرب فی حائط---- (۳۳۷۹)مسلم :کتاب البیوع :باب من باع نخلاعلیهاتمر(۱۵٤۳)مؤطا:کتاب البیوع :باب ماجاء فی مال المملوك (۲)مسند احمد(۱۵۰/۲)

امام مالکؒ اس مسئلہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "الامر المجتمع علیه عندناان المبتاع ان اشترط مال العبد فهو له نقدا کان او دیناأو عرضایعلم اولایعلم وان کان للعبدمن المال اکثر مماأشتری به کان ثمنه نقدااو دیناأوعرضا"(مؤطاایضا) ''ہمارے ہاں اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ اگر (غلام) خریدنے والا اس بات کی بھی شرط لگالے کہ اس کا مال بھی مجھے ملے گا تو وہ مال پھر خریدار کا ہوگا خواہ وہ نقدی کی شکل میں ہو یا قرض کی شکل میں یا کسی سامان وغیرہ کی شکل میں۔اور خواہ اسے اس مال کے بارے میں معلوم ہو یا معلوم نہ ہو۔اسی طرح خواہ وہ مال اس قیمت سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو جس قیمت پر اس نے غلام خریدا ہے''۔اسی نوعیت کی بحث حافظ ابن حجرؒ نے بھی کی ہے دیکھئے:(فتح الباری ،ج۵/ص۵۱)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب ظاہر ہے کہ جب غلام خریدنے والا اس کے مال کی بھی شرط لگائے گا تو بیچنے والا اس کے بدلے غلام کی قیمت پہلے سے بڑھا دے گا۔ حالانکہ خریدار اصلاً غلام کو خرید رہا ہے اور اگر وہ چاہے تو تبعاً اس غلام کا مال بھی خرید سکتا ہے جس کا طریقہ عہد نبویؐ میں یہ تھا کہ خرید وفروخت کے وقت اس کی شرط لگادی جاتی ۔اور آپؐ نے بھی اسے برقرار رکھا۔ دیکھئے: فتح الباری وغیرہ

۴۔ چوتھی بات یہ ہے کہ جوائنٹ سٹاک کمپنیوں کے شیئرز میں نقدی اور قرض لازمی عنصر کے طور پر شامل نہیں ہوتے بلکہ بہت سی کمپنیاں نقد ونقد بھی خرید وفروخت کے معاملات طے کرتی ہیں اور بسا اوقات ادھار اور قرض کے معاملات بھی کرنا پڑتے ہیں گویا مذکورہ طریق کار میں اغلب حصہ قرض پر نہیں بلکہ اثاثہ جات اور خام مال وغیرہ کی صورت میں ہوتا ہے اس لئے اغلب واکثر کا اعتبار کرتے ہوئے اسے جائز قرار دیا جائے گا کیونکہ فقہی قاعدہ بھی یہی ہے کہ..... ''اکثر کا اعتبار کیا جائے گا''

سٹاک ایکسچینج کی ملازمت اور دلالی

گذشتہ تفصیلات سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ سٹاک ایکسچینج میں سودی، غیر سودی، جائز اور ناجائز ہر طرح کی کمپنیوں کے حصص کی خرید وفروخت ہوتی ہے۔ اس لئے سٹاک ایکسچینج میں صرف ایسی ہی کمپنیوں کی ملازمت یا ان کے حصص کی خرید وفروخت میں 'دلالی' کی خدمات انجام دی جاسکتی ہیں جو غیر سودی ہوں، حلال کام کرتی ہوں اور سٹے، جوئے، دھوکے وغیرہ کی شکلوں سے پاک ہوں اور اپنی محنت وخدمت کی اجرت وصول کی جاسکتی ہے۔

بازارِ حصص میں غائب اور حاضر سودے

اس کی تفصیلات اور واقعاتی صورت حال ہم گذشتہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں۔ اب ہم ان کی شرعی حیثیت پر بحث کریں گے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاضر سودے اور شیئرز کا قبضہ

حاضر سودے کا طریق کار یہ ہے کہ آپ رقم دیں اور فوراً شیئرز سرٹیفکیٹ وصول کرلیں۔ اس میں شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ جس کمپنی کے شیئرز ہیں وہ کسی سودی یا حرام کاروبار میں ملوث نہ ہو۔ تاہم اس کے علاوہ ایک صورت یہ بھی پیش آتی ہے کہ اکثر و بیشتر کمپنیوں کے شیئرز، متعلقہ افراد کے نام رجسٹرڈ ہوتے ہیں جنہیں خریدنے کی صورت میں رجسٹر میں پہلے شخص کی بجائے اگلے خریدار کا نام آجاتا ہے مگر جب تک اگلے شخص کا نام شیئر ہولڈر کی حیثیت سے کمپنی کے کاغذات میں درج ہوتا ہے تب تک کم وبیش ایک سے تین ہفتے گزر چکے ہوتے ہیں۔ اب اس دورانیہ میں اگر نیا خریدار شیئرز کو مزید آگے بیچنا چاہے تو وہ انہیں بیچ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ انہیں اپنے نام منتقل ہونے سے پہلے آگے بیچ دیتا ہے تو کہیں یہ بیع قبل القبض کی صورت تو نہیں جس کی احادیث میں ممانعت مذکور ہے؟

ہماری رائے یہ ہے کہ مذکورہ صورت بیع قبل القبض نہیں لہٰذا شیئرز کی اپنے نام منتقلی کروانے سے پہلے انہیں آگے بیچا جاسکتا ہے کیونکہ جو شخص شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل کرتا ہے وہ اپنے شیئرز کے فوائد اور نقصانات کا ذمہ دار بن جاتا ہے، خواہ کمپنی کے اصل کاغذات میں اس کا نام ٹرانسفر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص مکان یا گاڑی خریدتا ہے اور اس کی قیمت ادا کرکے اسے اپنی ملکیت میں لے لیتا ہے اور اب اس مکان یا گاڑی کو جو نفع یا نقصان پہنچے گا، اس کا ذمہ دار یہی شخص ہے جس نے انہیں خرید لیا ہے حالانکہ اس خریداری میں وہ شخص قانونی طور پر ان اشیاء کا پورا مالک ابھی نہیں بنا کیونکہ ان اشیاء کے قانونی ملکیت کی نمائندگی کرنے والے کاغذات کو متعلقہ اداروں کے توسط سے حاصل کرنے میں کچھ وقت لگتا ہے اور جب کاغذی کارروائی پوری ہوجائے تو تب جاکر یہ شخص ان اشیاء کا پورا قبضہ یعنی حسّی قبضے کے علاوہ قانونی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبضہ بھی حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن اگر مکان یا گاڑی کے اصل کاغذات میں اس کا نام درج نہ ہوا ہو اور بیع کے بعد کوئی نقصان ہو جائے تو اس کا ذمہ دار وہ شخص یا کمپنی نہیں جس کا نام کاغذات میں درج ہے بلکہ اس کا ذمہ دار وہ شخص ہے جس نے انہیں خرید کر اپنے قبضہ اور ذمہ داری میں لے لیا ہے۔

واضح رہے کہ مذکورہ بحث شیئرز کی اس قسم سے تعلق رکھتی ہے جن میں شیئرز ہولڈر کا نام بحیثیت حصہ دار درج ہوتا ہے۔ شیئرز کی اس قسم کو عربی میں السهم المسجل اور انگریزی میں (Registered Share) کہا جاتا ہے۔ تاہم پھر بھی اس میں بہتر یہی ہے کہ جب تک شیئرز نئے خریدار کے نام منتقل نہ ہو جائیں تب تک انہیں آگے فروخت نہ کیا جائے۔ البتہ وہ شیئرز (Beurer- Shares) جن پر کسی کا نام درج نہیں ہوتا بلکہ جس کے ہاتھ/قبضہ میں وہ ہوں، وہی ان کا مالک تصور کیا جاتا ہے، اس قسم کے شیئرز کی خرید و فروخت میں حکمی و قانونی قبضے سے متعلقہ وہ سوال پیدا نہیں ہوتا جو پیچھے ذکر کردہ پہلی قسم میں پیدا ہوتا ہے۔

غائب سودے (Future/Forward-Sale)

بازار حصص کی اصطلاح میں غائب سودوں سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کا سودا کر لیا جائے مگر اس کے قبضہ کے لئے مستقبل کی کوئی تاریخ مقرر کر لی جائے۔ اس کی تفصیلات گذشتہ صفحات میں ''سٹاک ایکسچینج میں حاضر اور غائب سودے'' کے ضمن میں گزر چکی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فیوچر سیل کی ایک صورت تو صریح جوا پر مشتمل ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں اور جو صورتیں جوئے پر مشتمل نہیں وہ بھی مشتبہ ہیں۔ البتہ مستقبل کی تاریخ پر کسی چیز کی خرید و فروخت چند شرائط کے ساتھ جائز ہے اور وہ شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ پیشگی رقم ادا کر دی جائے۔

۲۔ جنس کا بھی تعین کر لیا جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ماپ تول (وزن وغیرہ) بھی طے کرلیا جائے۔

۴۔مدت بھی مقرر کرلی جائے۔

واضح رہے کہ یہ شرائط صحیحین میں مذکور اس حدیث سے ثابت ہوتی ہیں جس میں ہے کہ نبی اکرمؐ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ پھلوں کی پیشگی بیع کیا کرتے تھے۔آپؐ نے ان سے فرمایا کہ

''من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم''(۱)

''جو شخص پیشگی قیمت دے کر کوئی چیز خریدنا چاہے اسے چاہیے کہ ماپ تول ،وزن اور مدت کا تعین کرلے۔''(تاکہ بعد میں کوئی جھگڑا اور اختلاف وغیرہ پیدا نہ ہو)

سُود میں ملوث کمپنیوں کے حصص؟

اکثر و بیشتر کمپنیاں ایسی ہیں جن کا بنیادی کاروبار تو حرام نہیں مگر اس کے باوجود وہ کسی نہ کسی طرح سود میں ملوث ہوجاتی ہیں مثلاً سرمایہ بڑھانے کے لئے بنک سے سود پر قرضے لیتی ہیں یا زائد رقم بنک میں رکھوا کر اس پر سود لیتی ہیں۔تو آیا ایسی کمپنیوں کے کاروبار میں شرکت کرنا اور ان کے شیئرز کی خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس کا صاف سا جواب تو یہی ہے کہ جو کمپنیاں بنیادی طور پر اگرچہ حلال کاروبار کرتی ہوں مگر ان کے کاروبار میں کسی درجے اور تناسب سے سود کی آمیزش ہوجائے خواہ وہ تناسب انتہائی کم ہی کیوں نہ ہو، ایک حرام چیز کی آمیزش سے باقی حلال کاروبار بھی ، چونکہ مشتبہ ہوگیا ہے اس لئے ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز نہیں۔ لیکن بعض اہل علم نے اس سے اختلاف کیا ہے جیسا کہ مولانا تقی عثمانی صاحب رقم طراز ہیں کہ

(۱) [بخاری:کتاب البیوع:باب السلم فی وزن معلوم۔۔۔(۲۲۴۱/۲۲۴۰) مسلم(۱۶۰۴)ابو داؤد(۳۴۶۳)ترمذی(۱۳۱۱)ابن ماجہ(۲۲۸۰)نسائی(۲۹۰/۷)مسند احمد(۲۸۲/۱)سنن بیہقی(۱۸/۶)مسند دارمی(۲۶۰/۲)شرح السنۃ(۱۷۳/۸)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''علمائے کرام کی دوسری جماعت کا یہ کہنا ہے کہ اگر چہ ان کمپنیوں میں یہ خرابی پائی جاتی ہے، لیکن اس کے باوجود اگر کسی کمپنی کا بنیادی کاروبار مجموعی طور پر حلال ہے تو پھر دو شرطوں کے ساتھ اس کمپنی کے شیئرز لینے کی گنجائش ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا یہی موقف ہے اور ان دونوں حضرات کی اتباع میں، میں بھی اسی موقف کو درست سمجھتا ہوں، وہ دو شرطیں یہ ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ شیئر ہولڈر اس کمپنی کے اندر سودی کاروبار کے خلاف آواز ضرور اٹھائے، اگر چہ اس کی آواز مسترد (Overrule) ہوجائے اور میرے نزدیک آواز اٹھانے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ کمپنی کی جو سالانہ میٹنگ (Annaual General Meeting) (A.G.M) ہوتی ہے، اس میں یہ آواز اٹھائے کہ ہم سودی لین دین کو درست نہیں سمجھتے، سودی لین دین پر راضی نہیں ہیں، اس لئے اس کو بند کیا جائے، اب ظاہر ہے کہ موجودہ حالات میں یہ آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز ہوگی اور یقیناً اس کی یہ آواز مسترد (Overrule) ہوگی، لیکن جب وہ یہ آواز اٹھائے تو حضرت تھانوی کے قول کے مطابق ایسی صورت میں وہ انسان اپنی ذمہ داری پوری ادا کردیتا ہے''(۱)

مذکورہ بالا موقف پر میں اپنی تنقید کی بجائے کراچی ہی کے ایک معروف حنفی عالم جناب نور احمد شاہتاز صاحب (مدیر مجلّہ فقہ اسلامی، کراچی) کی تنقید پیش کرنا مناسب سمجھوں گا، موصوف تقی عثمانی صاحب کا یہ موقف ذکر کرنے کے بعد رقم طراز ہیں کہ

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر دس کلو کی دیگ میں پاؤ بھر چربی خنزیر کی یا اس کا گوشت ڈال دیا گیا ہو تو صاحب تقویٰ علماء کو دیگ کے پاس کھڑے ہوکر یہ صدائے احتجاج بلند کرنی چاہئے کہ آئندہ دیگوں میں خنزیر کا گوشت یا چربی نہ ملائی جائے اور اس دیگ میں سے جو خنزیر کے گوشت یا چربی کی ملاوٹ سے تیار ہوئی ہے، چاول کھالینے چاہئیں۔ اسی

(۱) [فقہی مقالات، از تقی عثمانی صاحب کراچی (ج۱ص۱۴۹، ۱۵۰)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح آئندہ بھی جب کبھی ایسا ہو صدائے احتجاج بلند کر کے چاول کھا لینے چاہئیں۔ اس سے وہ دیگ حلال ہو جائے گی جس میں صدائے احتجاج بلند کر کے کھا لیا جائے گا اور آئندہ بھی تمام ایسی دیگیں صدائے احتجاج کے سہارے حلال ہوتی رہیں گی، یہ خوب استدلال ہے کہ پکانے اور کھلانے والے بھی ناراض نہ ہوں اور خدا بھی راضی رہے۔ نہایت افسوس ہے کہ دین میں یُسر (آسانی) پیدا کرنے کی نبوی ہدایت کو کس طرح غلط استعمال (Misuse) کیا جا رہا ہے اور سرمایہ داروں کو خوش کرنے کے لئے حرام خوری کے کیسے نت نئے انداز سمجھائے جا رہے ہیں۔ کہیں زکاۃ کو ہضم کرنے کے لئے تملیک کا سہارا لیا جا رہا ہے تو کہیں جی پی فنڈ پر سود لینے کے لئے تفویض کو بنیاد بنایا جا رہا ہے۔"(۱)

(۱) [شیئرز کے کاروبار کی شرعی حیثیت: از نور احمد شاہتاز، کراچی (ص ۲۷)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فصل : ۴

حصص کی خرید وفروخت کے بارے میں علما کے فتاوی

سعودی عرب کے علما کا فتوی

سعودی عرب کے علما کی بڑی تعداد حصص کے کاروبار کو جائز قرار دیتی ہے بشرطیکہ جس کمپنی کے حصص خریدے جارہے ہوں وہ اول تو کاروبار کرتی ہو محض کاغذی کارروائی نہ ہو۔اور دوم یہ کہ وہ کمپنی کسی حرام کاروبار میں ملوث نہ ہو۔علاوہ ازیں حصص کو منافع پر فروخت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ حصص کی پشت پر کلی یا اغلب طور پر منجمد اثاثے موجود ہوں محض نقدی یا اکثر حصہ نقدی پر مشتمل نہ ہو۔ورنہ یہ نقدی کی نقدی کے ساتھ بیع ہوجائے گی۔جس میں اگرچہ برابری کی سطح پر تبادلہ جائز ہے بشرطیکہ ایک ہی نوع (یا ملک) کی کرنسی دونوں طرف ہو۔ورنہ اس میں کمی بیشی سود ہونے کی وجہ سے حرام قرار دی جائے گی۔ذیل میں چند ایک فتاوی بالاختصار درج کئے جارہے ہیں۔

سعودی عرب کے معروف مفتی شیخ ابن بازؒ کا فتوی

(۱) شیخ ابن بازؒ سے ایک سائل نے سوال کیا کہ میں نے ایک کمپنی کے حصص خریدے اور پھر انہیں منافع پر فروخت کردیا۔آپ بتایئے اس منافع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

شیخ اس کا جواب دیتے ہیں کہ اگر ان حصص کی پشت پر کلی یا اغلب طور پر نقدی نہ ہو اور خریدار اور فروخت کنندہ دونوں کو اس کا علم ہو تو پھر انہیں منافع پر بیچنا بیع کے جواز کے عمومی دلائل کی بنیاد پر جائز ہے کیونکہ حصص کو منافع پر فروخت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ حصص کی پشت پر کلی یا اغلب طور پر منجمد اثاثے موجود ہوں خواہ وہ گاڑیوں کی شکل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہوں یا عمارتوں کی شکل میں یا کسی اور شکل میں۔(محض نقدی یا اکثر حصہ نقدی پر مشتمل نہ ہو)(۱)

(۲) موصوف حصص ہی کے بارے میں ایک اور سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں:

"لاباس ببیع الاسهم وشرائها اذا کانت فی شرکات لاتتعامل بالربا"(۲)

"حصص کی خرید وفروخت جائز ہے بشرطیکہ متعلقہ کمپنی سودی کاروبار میں ملوث نہ ہو"

رابطہ عالم اسلامی کا فتویٰ

رابطہ عالم اسلامی کے ذیلی ادارہ مجمع الفقهی الاسلامی کا چودھواں اجلاس مکہ مکرمہ میں بروز ہفتہ ۲۰ شعبان ۱۴۱۵ ہجری کو منعقد ہوا جس میں موضوع ذیل پر غور وخوض کیا گیا اور طے پایا کہ:

۱۔ چونکہ معاملات میں اصل بات یہ دیکھی جاتی ہے کہ وہ حلال اور مباح ہیں یا نہیں۔اس لیے شرعی طور پر جائز اور مباح اغراض کے پیشِ نظر کاروباری کمپنیوں کا قیام مباح سرگرمیوں کی خاطر جائز ہے۔

۲۔ ایسی کمپنیوں کے حصص (Shares) کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں جن کا مقصدِ قیام ہی حرام کاروبار ہو۔جیسے سودی کاروبار کی خاطر قیام، یا حرام اشیاء کی تیاری اور حرام اشیاء کی تجارت کے لیے کمپنی کا قیام۔

۳۔ ایسی کمپنیوں یا بینکوں کے حصص کسی بھی مسلمان کے لیے خریدنا جائز نہیں جو بعض معاملات میں سود میں ملوث ہوں۔جبکہ حصص خریدنے والے کو اس بات کا علم ہو کہ کمپنی سود میں ملوث ہے۔

۴۔ اگر کسی شخص نے کسی کمپنی کے حصص خریدے اور اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کمپنی سودی کاروبار کرتی ہے۔مگر پھر (کچھ عرصہ میں) اس کے علم میں یہ بات آ گئی تو اسے چاہیے کہ وہ فوراً اپنا سرمایہ اس کمپنی کے حصص سے نکال لے۔

ایسے حصص میں حرمت کا حکم بڑا واضح ہے اور اس پر قرآن وسنت کے سود کے سلسلہ

(۱) [فتاوی اللجنة الدائمةللبحوث العلمية والافتاء(جلد۱۳/صفحه۳۲۰)]

(۲) [فتاوی اللجنة الدائمةللبحوث العلمية والافتاء(جلد۱۳/صفحه۳۲۳)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے عمومی دلائل موجود ہیں اور کسی شخص کا یہ جانتے ہوئے بھی کہ کمپنی سودی کاروبار کرتی ہے، اس کے حصص خریدنا گویا اپنے آپ کو دانستہ اس کاروبار میں شریک کرنا ہے۔ کیونکہ حصص اس کمپنی کے کاروبار واملاک کا ایک جزو ہے اور کمپنی جو قرض جاری کرتی ہے سود پر کرتی ہے یا جب بھی سرمایہ لیتی ہے تو سود پر لیتی ہے۔ چنانچہ اس طرح کے ہر معاملہ ولین دین میں ہر حصہ دار (Share Holder) شریک ہوتا ہے۔ کیونکہ کمپنی کے جو بھی کارندے یا افسران اس طرح کا لین دین کرتے ہیں وہ اپنے حصہ داروں یا شیئر ہولڈرز کے نائب کے طور پر کام کرتے ہیں اور کسی حرام کام کے لیے کسی کو اپنا نائب، وکیل یا نمائندہ بنانا جائز نہیں۔''(۱)

اہلحدیث علما کے فتاوی(۲)

(۱) مولانا عبدالستار الحمّاد، مفتی 'مرکزی جمعیت اہلحدیث' پاکستان

سوال: لاہور سے عمر فاروق لکھتے ہیں کہ ..... کیا شیئرز کی خرید وفروخت اور نفع لینا جائز ہے، مثلاً ایک فیکٹری ایک کروڑ روپے کی ہے، اس کے پچاس شیئرز مالک اپنے

(۱) [مجلة 'الدعوة' الرياض، سعودی عرب، جولائی ۱۹۹۷ء عدد (۱۶۰۱) بحوالہ 'شیئرز کے کاروبار کی شرعی حیثیت' (ص ۳۰، ۳۱) از پروفیسر نور احمد شاہتاز، کراچی]

(۲) [واضح رہے کہ معروف اہلحدیث عالم حافظ ثناء اللہ مدنی صاحب نے اپنے ایک فتوی، مطبوعہ ہفت روزہ 'الاعتصام' لاہور (جلد ۵۴، شمارہ ۱۹، ۱۷ مئی ۲۰۰۲ء ص ۱۷) میں حصص کی خرید وفروخت کو نقدی کی نقدی کے ساتھ بیع کی بنیاد پر مطلق طور پر حرام قرار دیا تھا حالانکہ گزشتہ تفصیلات سے واضح ہو چکا ہے کہ حصص کے کاروبار میں عام طور پر نقدی کی نقدی کے ساتھ بیع والی صورت ہر جگہ نہیں پائی جاتی، اگرچہ بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوتا ہے لیکن ان نادر صورتوں کی بنیاد پر کلی فتوی کسی طرح بھی نہیں لگایا جاسکتا۔ اسی لئے ان کے اس فتوی کی تردید میں ہفت روزہ 'اہلحدیث' لاہور (۷ جون ۲۰۰۲ء) میں حافظ ذوالفقار علی صاحب (شیخ الحدیث ابو ہریرۃ اکیڈمی، لاہور) کا مضمون شائع ہوا جس میں موصوف نے حافظ مدنی صاحب کے فتوی پر تنقید کی اور مدنی صاحب نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، شاید اس وجہ سے کہ انہوں نے واقعاتی صورت کو سمجھنے کے بعد اپنی رائے سے رجوع کرلیا ہوگا۔ واللہ اعلم!]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاس رکھتا ہے اور باقی پچاس لوگوں میں فروخت کر دیتا ہے، یہ حصص خریدنے والے بھی کاروبار میں شریک ہو جاتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب:..... شیئرز کی حقیقت یہ ہے کہ ایک کمپنی کاروبار چلانے کے لئے اپنا لائحہ عمل اور خاکہ شائع کرتی ہے اور اپنے شیئرز جاری کرتی ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کمپنی لوگوں کو اپنے کاروبار میں حصے دار بننے کی دعوت دیتی ہے، اس وقت کمپنی سے جو شخص بھی شیئرز خریدتا ہے وہ شخص درحقیقت اس کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار بن رہا ہوتا ہے اور کمپنی کے ساتھ شراکت کا معاملہ کرتا ہے اگرچہ عرف عام میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے شیئرز خریدے لیکن شرعی لحاظ سے یہ خرید وفروخت نہیں کیونکہ پیسے ادا کرنے سے اسے کوئی سامان وغیرہ نہیں ملتا۔ ابتدائی طور پر شیئرز خریدنے کے لئے یہ شرط ہے کہ خریدنے والا اس بات کا پتہ لگائے کہ یہ کمپنی کوئی حرام کاروبار تو نہیں شروع کر رہی مثلاً: شراب کشید کرنے کی فیکٹری لگائی جا رہی ہو یا سودی کاروبار کے لیے بنک کھولا جا رہا ہو۔ اگر ایسا ہے تو ابتداءً اس کمپنی کے شیئرز خریدنا جائز نہیں ہیں۔ لیکن اگر بنیادی طور پر حرام کاروبار نہیں بلکہ کسی جائز کاروبار کے لیے کسی کمپنی نے شیئرز جاری کئے ہیں مثلاً: ٹیکسٹائل مل لگانا ہے تو اس صورت میں اس کمپنی کے شیئرز خریدنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اب ان شیئرز کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے کہ جب ایک آدمی نے کمپنی کے جاری کردہ حصص خرید لئے اور وہ اب کمپنی میں حصہ دار بن گیا تو پھر یہ شیئرز ہولڈر وقتاً فوقتاً اپنے شیئرز اسٹاک مارکیٹ میں فروخت کے لیے پیش کر دیتا ہے۔ اسٹاک مارکیٹ سے شیئرز خریدنے کے لیے بھی چند ایک شرائط ہیں:

۱۔ یہ شیئرز کسی حرام کاروبار میں ملوث کمپنی کے نہ ہوں، ایسی کمپنی کے حصص خریدنا کسی حال میں جائز نہیں ابتدائی طور پر جاری ہونے کے وقت اور نہ ہی بعد میں اسٹاک مارکیٹ سے ان کا خریدنا جائز ہے۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس کمپنی کے تمام اثاثے نقد رقم کی شکل میں نہ ہوں بلکہ اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کمپنی نے جمع شدہ سرمایہ سے زمین خریدی ہو یا بلڈنگ بنالی ہو، اگر اس کمپنی کا اثاثہ بھی نقدی کی شکل میں ہے تو ان حصص کو کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں بلکہ اس کی اصل قیمت کے برابر برابر خریدنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس صورت میں دس روپے کا شیئر دس روپے ہی کی نمائندگی کر رہا ہے جیسا کہ دس روپے کا نوٹ دس روپے کی ہی نمائندگی کرتا ہے لہذا جب دس روپے کا شیئر دس روپے کی نمائندگی کر رہا ہے تو اس صورت میں اسے گیارہ یا نو روپے میں خریدنا یا فروخت کرنا قطعاً جائز نہیں ہے لیکن اگر کمپنی کے کچھ اثاثے منجمد شکل میں ہیں مثلاً اس رقم سے کمپنی نے خام مال خرید لیا یا بلڈنگ بنالی یا مشینری خرید لی تو اس صورت میں دس روپے کے شیئر کو کمی وبیشی سے فروخت کرنا جائز ہوگا۔ (واللہ اعلم!)(۱)

(۲) مولانا محمود احمد میر پوریؒ، ناظم اعلیٰ جمعیت اہلحدیث، برطانیہ

سوال: آج کل حصص (Shares) خریدنے کا ہنگامہ بہت ہے۔ برٹش گیس، برٹش ایرویز کے حصص خریدنے کی خبر معلوم ہوگی۔ ان کو خریدنا بیچنا اسلامی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟ بعض کمپنیاں جن کے حصص خریدے جاتے ہیں، وہ شراب یا خنزیر کے گوشت کا کاروبار کرتی ہیں کیا ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا ایک مسلمان کے لئے جائز ہے؟ (سائل: ڈاکٹر صلاح الدین)

جواب: اگر کسی کاروباری کمپنی کے حصے آپ نے خریدے ہیں اور پھر اس کے نفع ونقصان میں اپنے حصے کے مطابق آپ شریک ہیں کیونکہ ان کی قیمت بڑھ بھی سکتی ہے اور اس میں کمی کا امکان بھی ہوتا ہے، تو بنیادی طور پر یہ جائز ہے۔ اس کے حرام ہونے پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ ہاں، اگر یہ بات آپ کے علم میں آجاتی ہے کہ جس کمپنی کے حصے آپ خرید رہے ہیں، وہ سودی کاروبار کرتی ہے یا شراب وخنزیر فروخت کرتی ہے

(۱) [ہفت روزہ اہلحدیث لاہور (جلد ۳۳ شمارہ ۷۲، ۱۲ تا ۱۸ جولائی ۲۰۰۲ء صفحہ ۶)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو ایسی کمپنیوں کے حصے خریدنا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہاں بنیادی اصول یہی ہے کہ کاروبار میں کسی حرام چیز کا دخل نہیں۔ اگر حرام آمدنی اس میں آتی ہے اور واضح طور پر آپ کے علم میں بھی آ گیا ہے تو پھر وہ حرام ہی ہوگا۔

اگر کسی کمپنی کے دائرے کو سمجھنا مشکل ہوتا ہو جیسا کہ آپ نے لکھا ہے تو جس قدر آپ سمجھ سکتے ہیں اس کے مطابق آپ فیصلہ کرلیں۔ اصل بات آپ کا اطمینان ہے اگر آپ مطمئن ہیں کہ اس میں حرام کی کوئی آمیزش نہیں تو جائز ہے۔ اپنی طاقت اور بساط کے مطابق انکوائری کرلینا چاہیے، اس کے بعد کوئی اخلاصِ نیت سے جو فیصلہ بھی کرے گا اس میں وہ برحق ہوگا۔ (ان شاء اللہ!)(۱)

(۳) مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ:

آج کل بے شمار کمپنیاں جن میں سے اکثر لمیٹڈ ہوتی ہیں، لوگوں کے سرمایہ سے کاروبار کرتی ہیں۔ ان کا طریق مشہور و معروف ہے۔ مثلاً ایک کمپنی اپنا کاروبار چلانے کے لیے ایک لاکھ روپے کی رقم مختص کرتی ہے۔ وہ اس کے ۱۰۰ حصے مقرر کر کے عوام کو دعوت دیتی ہے کہ ۱۰۰۰ روپے حصہ کے حساب سے جو شخص چاہے جتنے حصے چاہے خرید سکتا ہے۔ بعض کمپنیاں تو مضاربت کی شکل میں کام کرتی ہیں اور اکثر ترجیحی حصص یا Debentures کے ذریعہ سرمایہ حاصل کرتی ہیں۔ یہ ترجیحی حصص عندالطلب قابل واپسی بھی ہوتے ہیں اور ان پر ایک مقرر شرح سے منافع بھی ملتا رہتا ہے۔ یہ تو خالص سودی کاروبار ہے۔ یہ حرام ہے۔ لہٰذا ان حصص پر زکوٰۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ زکوٰۃ حرام مال کو حلال نہیں بنا سکتی۔ رہے مضاربت کے حصص، تو ایسی صورت میں زکوٰۃ مخلوط مال کی صورت میں ادا ہوگی۔ ہاں اگر کمپنی یہ اہتمام نہ کرے تو ہر حصہ دار صاحب نصاب خود اپنی زکوٰۃ ادا کرے اور اگر صاحب نصاب نہیں ہے تو نہ کرے۔

(۱) [دیکھئے: ''فتاوی صراط مستقیم'' از میر پوریؒ، (صفحہ ۵۴۱) مکتبہ قدوسیہ، لاہور]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کمپنیوں کے حصص کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ایک سال بعد ۱۰۰ روپے کے حصص کی قیمت منافع کی شکل میں ۱۵۰ روپے بھی ہوسکتی ہے اور نقصان کی صورت میں ۲۰۰ روپے بھی۔ اگر کمپنی سودی کاروبار میں ملوث ہو تو ان کے حصص کی خرید وفروخت حرام ہے اور اگر مضاربت کی صورت میں کام کر رہی ہو تو جائز ہے۔ ان کی خرید و فروخت آج کل سٹاک ایکسچینج کے ذریعہ ہوتی ہے جو اس کام کی برائے نام کمیشن لے لیتے ہیں اور کمپنی کے ریکارڈ میں بائع کے بجائے مشتری کا نام آجاتا ہے۔ایسے حصوں پر زکوٰۃ صاحب نصاب پر موجودہ قیمت کے لحاظ سے عائد ہوگی نہ کہ ابتداء میں لگائے ہوئے سرمایہ کے حساب سے۔ (۱)

حنفی علما کی آراء

(۱) مولانا گوہر رحمانؒ صاحب:

سوال: سٹاک مارکیٹ اور بازار حصص کا کاروبار کیسا ہے؟اور کیا حصص (شیئرز) کی خرید وفروخت جائز ہے؟

جواب: لمیٹڈ کمپنی کے حصے سرمایہ کاری اور نفع ونقصان میں شرکت کی بنیاد پر خریدنا جائز ہے اور ہر حصہ دار (شیئر ہولڈر) اپنے شیئر اور حصے کے تناسب سے کمپنی کے سرمائے اور اثاثوں مثلاً عمارت، مشینری، مصنوعات اور دوسری اشیائے استعمال کا مالک بن جاتا ہے مگر جواز کی بنیادی شرط یہ ہے کہ کمپنی کا کاروبار شرعاً حلال ہو اور قمار وربٰو سے پاک ہو، اس لیے حرام کاروبار کرنا مثلاً شراب کا کارخانہ لگانا، سودی لین دین پر مشتمل بنک قائم کرنا، سود اور جوئے پر مشتمل بیمہ کمپنی قائم کرنا اور اس قسم کے غیر شرعی کاروبار کے دوسرے ادارے قائم کرنا شخصی طور پر بھی جائز نہیں ہیں اور ان کے حصص خریدنا بھی جائز نہیں ہے۔

(۱) [دیکھئے: ''تجارت اور لین دین کے مسائل'' از مولانا عبدالرحمان کیلانیؒ (ص ۳۳۱)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر حصص خریدنے والے کا مقصد کمپنی کا حصہ دار بن کر سرمایہ کاری کرنا نہ ہو بلکہ وہ حصص کی خریداری اس نیت سے کرتا ہو کہ جب شیئرز کی قیمت بڑھ جائے گی تو فروخت کر کے نفع کماؤں گا یعنی حصص کی خرید و فروخت کا کاروبار کرنا اصل مقصد ہو، کمپنی کے کاروبار میں شرکت کرنا اصل مقصد نہ ہو تو اصولی طور پر یہ کاروبار بھی جائز ہے، اس لیے کہ حصص کی خرید و فروخت دراصل کمپنی کے اموال اور اثاثوں میں متناسب حصوں کی خرید و فروخت ہے مگر شرط یہ ہے کہ بیع و شراء کی شرائط کو ملحوظ رکھا گیا ہو مثلاً اگر قبضے میں آنے سے قبل ہی اپنا حصہ بیچ دیا ہو یا ایسی صورت ہو جو جوئے کی شکل اختیار کر لیتی ہے تو ظاہر ہے ایسی صورت میں دوسری چیزوں کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہوگی اور بازار حصص میں حصص کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہوگی لیکن اگر شرعی احکام و ضوابط کی ٹھیک ٹھیک پابندی کی گئی ہو تو اس کے جواز میں کوئی اشکال و اشتباہ نہیں، اس لیے کہ یہ کاروبار اصل میں کاغذی سرٹیفکیٹ کی خرید و فروخت نہیں ہے بلکہ کمپنی کے اموال و املاک میں ان حصوں کی خرید و فروخت ہے جن کی نمائندگی یہ شیئرز سرٹیفکیٹس کرتے ہیں ان سرٹیفکیٹس پر قبضہ کرنا اور ان کا قبضہ دینا دراصل ان چیزوں کا لین دین ہے جن کی ملکیت کا یہ دستاویزات قانونی ثبوت ہوتے ہیں۔ مگر یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ بعض اوقات کچھ انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے خریدار کا شیئرز سرٹیفکیٹس پر قبضہ چند روز کے لیے مؤخر ہو جاتا ہے تو کیا بیع و شراء ہو جانے کے بعد اور شیئرز کی دستاویزات وصول کرنے سے قبل ان حصص کو آگے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں اور کیا یہ بیع قبل القبض متصور ہوگا جو ممنوع ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کمپنی کا مسلمہ قاعدہ یہ ہو کہ سودا مکمل ہونے کے بعد شیئرز کے تمام حقوق و فرائض خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں اگرچہ کچھ انتظامی امور نمٹانے کے لیے سرٹیفکیٹس کی وصولی چند روز کے لیے مؤخر ہوگئی ہو تو یہ بیع قبل القبض نہیں ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جائز ہے اس لیے کہ حقوق وفرائض کا منتقل ہو جانا اگر چہ حسی قبضہ نہیں ہے مگر حکمی قبضہ ہے۔اس دوران اگر کمپنی کا نقصان ہوا ہو تو اپنے حصے کے تناسب سے یہ نفع بھی اس کو ملے گا۔شرعاً یہ بھی قبضہ متصور ہوتا ہے لہذا آگے فروخت کرنا بھی بعد القبض نہیں سمجھا جائے گا۔اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے موٹر خریدی اور اس پر قبضہ کر کے استعمال کرنا شروع کر دیا مگر کاغذات میں بائع کے نام کی جگہ خریدار کے نام کا اندراج ابھی نہیں ہوا تو اس کاغذی کارروائی سے قبل بھی خریدار اس موٹر کو آگے فروخت کر سکتا ہے ،اس لیے کہ عملاً موٹر اس کے قبضے میں ہے اور وہ اس کے نفع نقصان کا ذمہ دار ہے ۔اسی طرح اگر کمپنی میں حصہ دار کی ذمہ داریاں اور حقوق سودا مکمل ہو جانے کے ساتھ ہی اس کو منتقل ہو گئے ہوں تو وہ کاغذی کارروائی مکمل ہونے سے پہلے بھی ان حصص کو فروخت کر سکتا ہے۔اس لیے کہ اگر چہ کاغذی قبضہ ابھی مکمل نہیں ہوا مگر فی الواقع قبضہ ہو گیا ہے۔

لیکن اگر کمپنی کا قاعدہ یہ ہو جو سب کو معلوم ہو کہ جب تک خریدار نے شیئرز سرٹیفکیٹس وصول نہ کیے ہوں اس وقت تک وہ کمپنی کا حصہ دار نہیں بن سکتا اور نفع ونقصان میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تو اس صورت میں سرٹیفکیٹس پر قبضہ کیے بغیر ان حصص کا آگے فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا ۔اس لیے کہ یہ بیع قبل القبض ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے ۔مجھے معلوم نہیں کہ سٹاک ایکسچینج والوں کا قاعدہ کیا ہے۔ اس بارے میں آپ کو معلومات ہوں گی اس کے مطابق اپنے کاروبار کا فیصلہ آپ خود کر لیں کہ یہ مذکورہ صورتوں میں سے کونسی صورت میں شامل ہے؟

بازار حصص میں ایک طریقہ آج کل سب سے زیادہ مروج ہے مگر وہ سٹہ بازی اور جوابازی کا ایک کھیل ہے جو کھیلا جا رہا ہے اور ناجائز ہے ۔اس میں فریقین کا اصل مقصد لین دین اور خرید وفروخت نہیں ہوتا بلکہ فرق برابر کر کے نفع نقصان کا ایک قسم کا جوا کھیلنا اصل مقصد ہوتا ہے مثلاً یکم جنوری کو ایک شخص نے دس روپے فی شیئرز کے حساب سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک سودا کیا اور شیئرز پر قبضہ کی تاریخ یکم مارچ مقرر کرلی جب یکم مارچ آئی تو شیئر کی قیمت بڑھ کر بارہ روپے ہوگئی تو اس صورت میں فروخت کرنے والا خریدنے والے کو شیئرز دینے کی بجائے دوروپے فی شیئر ادا کردیتا ہے اور اگر اس کے برعکس یکم مارچ کو شیئر کی قیمت آٹھ روپے ہوگی تو اس صورت میں خریدار فروخت کرنے والے کو دوروپیہ فی شیئر دے دیتا ہے اور شیئرز وصول نہیں کرتا۔ کاروبار کی یہ صورت سٹہ بازی اور جوابازی ہے جو حرام ہے۔ آپ کا سوال اسی صورت کے بارے میں معلوم ہوتا ہے اور غالبا یہی صورت آج کل بازار حصص میں مروج ہے آپ خود بھی قسمت لڑانے کا یہ کام نہ کریں اور دوسروں کو بھی اس سے منع کریں۔ (گوہر رحمان)[1]

(۲) مولانا مودودیؒ، مولانا تقی عثمانیؒ اور دیگر اہل علم

مولانا مودودیؒ، مولانا تقی عثمانیؒ اور دیگر بہت سے اہل علم حصص کے کاروبار کو دیگر کاروبار کے اصول وضوابط ہی کی روشنی میں جائز تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ تقی عثمانیؒ اور ان کے موقف سے اتفاق کرنے والے بعض اور اہل علم سود میں ملوث کمپنیوں کے حصص کی خرید وفروخت کو بھی جائز قرار دیتے ہیں لیکن دیگر اہل علم ان کے اس موقف سے سخت اختلاف رکھتے ہیں جیسا کہ گزشتہ فصل میں موجود تفصیلات سے واضح ہے۔

(۱) [تفہیم المسائل از مولانا گوہر رحمانؒ (ج۱، ص۔۳۶۲تا۳۶۵)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فصل : ۵

اسلام کا نظامِ زکوٰۃ اور چند جدید مسائل ☆

'زکوٰۃ' اسلام کے ارکان خمسہ میں شامل ایک اہم رکن ہے جس کا تارک ومنکر بلا شبہ کافر ومرتد ہے جیسا کہ قرآنِ مجید میں کافر ومشرک لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوْا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِیْ الدِّیْنِ﴾

''اگر وہ (کفر وشرک سے) توبہ کرلیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔'' (التوبہ:۱۱)

گویا اُمتِ مسلمہ میں شمولیت اور مسلم برادری کا حصہ بننے کے لئے ضروری ہے کہ (i) کفر وشرک سے توبہ کی جائے، (ii) نماز ادا کی جائے اور (iii) زکوٰۃ ادا کی جائے۔

زکوٰۃ ایسا اہم دینی فریضہ ہے کہ سستی اور کاہلی کی وجہ سے اگر کوئی صاحبِ نصاب شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے تو حکومت وقت جبری طور پر اس سے زکوٰۃ وصول کرنے کی مجاز ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں جب بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو آپؓ نے ان کے خلاف قتال کیا اور بعض صحابہؓ کے شبہات پر آپؓ نے فرمایا:

''واللہ لأقاتلن من فرّق بین الصلاۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال، واللہ! لومنعونی عنا قا کانوا یؤدونها إلی رسول اللہ لقاتلتهم علی منعها ''(۱)

''اللہ کی قسم! جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے، میں اس کے خلاف ضرور قتال کروں گا۔ بلا شبہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اور اللہ کی قسم! اگر (بالفرض) لوگ بکری کا چھوٹا بچہ جو وہ بطورِ زکوٰۃ اللہ کے رسول کو دیا کرتے تھے، مجھے دینے سے انکار کردیں تو ان کے انکار پر میں ان کے خلاف جنگ کروں گا۔''

(۱) [بخاری: کتاب الزکاۃ: باب وجوب الزکاۃ (۱۴۰۰)]

☆ راقم الحروف کا یہ مقالہ ماہنامہ ''محدث'' لاہور (نومبر دسمبر ۲۰۰۳ء) میں شائع ہوا تھا پھر پاکستان اور ہندوستان کے بعض جرائد نے بھی اسے دوبارہ شائع کیا۔ اس میں چونکہ زکاۃ سے متعلقہ کئی ایک اہم اور جدید مسائل پر روشنی ڈالی گئی اور کئی نامور اصحاب علم کی بعض کمزور آراء پر مناقشہ کیا گیا ہے اس لیے اس کی افادیت کے پیش نظر اسے من وعن کتاب ہذا میں شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ (مصنف)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ کی فرضیت و اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے اور معاشرتی سطح پر بہت سے فوائد و مصالح کی بنیاد بھی یہی نظامِ زکوٰۃ ہے۔ مالداروں کے زائد از ضرورت مال میں سے جہاں ایک انتہائی معمولی اور متعین حصہ بطورِ زکوٰۃ لیا جاتا ہے، وہاں یہی جمع شدہ حصص معاشرے ہی کے ان افراد کی فلاح و بہبود اور کفالت و تربیت پر صرف ہوتے ہیں جو نہ صرف غربت و افلاس کا شکار ہوتے ہیں بلکہ بعض دیگر وجوہات کی بنا پر معاشرے کے فعال رکن بننے سے قاصر ہوتے ہیں۔ معاشرے کے اس کمزور اور مستحق زکوٰۃ طبقہ سے اگر زکوٰۃ کی ضرورت و اہمیت کے حوالے سے دریافت کیا جائے تو یہ طبقہ اسلام کے نظامِ زکوٰۃ کو ایک بہت بڑی نعمت قرار دے گا۔

جب کہ اس کے برعکس وہ طبقہ جو زکوٰۃ دینے کا اہل قرار پاتا ہے اس کا نقطہ نظر اوّل الذکر سے کہیں مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے کہ زکوٰۃ دینے سے ان کے مال میں کمی ہوتی ہے جسے وہ خواہ مخواہ کی چٹی اور بارِ گراں محسوس کرتے ہیں۔ اور ایسے لوگ تو آٹے میں نمک برابر ہیں جو زکوٰۃ دینے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کو بھی اگر یہ کہہ دیا جائے کہ زکوٰۃ فرض نہیں بلکہ مستحب ہے تو ان کی تعداد میں بھی واضح کمی پیدا ہو جائے گی۔ گویا عصر حاضر میں ہمارے ایمان کی حالت نہایت نازک ہو چکی ہے جس کی طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔

بنیادی طور پر انسان حریص ہے اور مال سے محبت اس کی فطری کمزوریوں میں شامل ہے۔ اسلام نے انسان کی اس فطری کمزوری پر قابو پانے کے لئے جن ذرائع کو اختیار کیا وہ یہ ہیں:

① زکوٰۃ کو 'فرض' قرار دیا۔

② صرف اتنے مال پر زکوٰۃ کو فرض کیا جو انسان کی ضرورت سے زائد ہو۔

③ آلاتِ پیداوار اور ذاتی استعمال کی چیزوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

④ صرف اتنا مال بطورِ زکوٰۃ فرض کیا جو کل مال کے مقابلے میں انتہائی معمولی (یعنی اڑھائی فیصد) ہو۔

⑤ زکوٰۃ فرض کرنے کے باوجود اس کی فضیلتیں بیان کیں۔

⑥ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو دنیاوی سزا اور اُخروی عذاب سے متنبہ کیا۔

مذکورہ باتوں کو اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے زکوٰۃ کی شکل میں انسان پر کوئی بوجھ نہیں ڈالا۔ لیکن اس کے باوجود اگر انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ اڑھائی فیصد مال بطورِ زکوٰۃ دینا بوجھ ہے تو پھر اسے یہ پہلو بھی مدنظر رکھنا چاہئے کہ اس کے پاس موجود ۱۰۰ فیصد مال کہاں سے آیا ہے؟ اس مال سے آگے جو وہ مزید نفع کما رہا ہے تو یہ نفع، بڑھوتری اور برکت کون پیدا کر رہا ہے؟ اگر تو انسان کا اللہ پر ایمان مستحکم ہو تو کچھ بعید نہیں کہ انسان کو بات فوری طور پر سمجھ میں آ جائے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے اور اس میں اس کا کوئی کمال نہیں اور پھر وہ خوشی سے اس فرض کو ادا کرنا شروع کر دے۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ زکوٰۃ، جو پہلے ہی بہت سارے اصحابِ ثروت کے لئے سنگِ گراں کی حیثیت رکھتی ہے، کی فرضیت کے حوالہ سے کچھ نئے نظریات سامنے آ رہے ہیں، مثلاً ذاتی رہائش، ذاتی سواری، آلاتِ تجارت وغیرہ پر بھی زکوٰۃ کو محض اس لئے فرض قرار دیا جانے لگا ہے کہ یہ تمام اشیا بھی قیمتی ہیں اور ان کا مالک 'غنی' کہلانے کا حقدار ہے اور غنی ہی سے چونکہ زکوٰۃ لی جاتی ہے لہٰذا قیمتی سواری اور قیمتی رہائش کے مالک سے ان چیزوں کی بھی زکاۃ لی جائے گی.....ان شبہات کی کیا حیثیت ہے؟ اور اس ضمن میں پیش کئے جانے والے دلائل کا کیا معیار ہے؟ اس کی تفصیل آئندہ سطور میں پیش کی جا رہی ہے۔ اس ضمن میں موضوعِ بحث کو سمجھنے کے لئے زکوٰۃ سے متعلقہ بنیادی شرائط اور حدود و قیود پر آئندہ صفحات میں تفصیل سے روشنی ڈال دی گئی ہے اور متعلقہ شبہات کی تردید بھی اپنے مقامات پر کر دی گئی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شروطِ زکوٰۃ

متقدم فقہا میں سے جمہور فقہا نے زکوٰۃ کی فرضیت کے حوالہ سے جن شروط کو متفقہ طور پر بیان کیا ہے، وہ یہ ہیں:

① زکوٰۃ سے متعلقہ مال، متعین فرد کی ملکیت ہو۔

② اس مال پر اسے ملکِ تام حاصل ہو۔

③ وہ مال، 'نامی' (یعنی نشوونما کا متحمل) ہو۔

④ وہ مال ضروریاتِ زندگی (حاجاتِ اصلیہ) سے زائد ہو۔

⑤ اس مال پر ایک سال کا وقفہ گزر چکا ہو۔

⑥ زکوٰۃ ادا کرنے میں کوئی مانع (قرض وغیرہ کی موجودگی) نہ ہو۔

⑦ وہ مال مقررہ نصاب کو پہنچ چکا ہو۔

مذکورہ بالا ساتوں شرائط کی مزید تفصیل درج ذیل ہے:

❶ مال متعین فرد کی ملکیت ہو

اس کا معنی یہ ہے کہ جس مال پر زکوٰۃ فرض ہے وہ مال کسی خاص شخص کی ملکیت ہونا چاہئے۔ اگر وہ مال کسی خاص شخص کی ملکیت نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں مثلاً وقف شدہ اموال، بیت المال، عوامی ہسپتال وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو عام طور پر فردِ واحد کی ملکیت نہیں ہوتیں بلکہ مجموعی طور پر یہ تمام مسلمانوں کے لئے وقف ہوتی ہیں، اس لئے ان پر زکوٰۃ نہیں اور نہ ہی گذشتہ چودہ صدیوں میں کوئی ایسی مثال ہمیں ملتی ہے کہ کسی حاکم وقت نے بیت المال سے یا خیراتی وعوامی ہسپتال وغیرہ کی آمدن سے زکوٰۃ وصول کی ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاہم اگر کوئی ہسپتال یا اجتماعی نوعیت کا ادارہ کسی فرد واحد کی ملکیت میں ہو تو اس سے زکاۃ وصول کی جائے گی، کیونکہ اب یہ شخصی ملکیت کے حکم میں ہے عوامی ملکیت کے حکم میں نہیں اور اگر بالفرض اسے وقف کر کے عوامی ملکیت بنا دیا جائے تو پھر اس پر زکاۃ معاف ہو جائے گی۔

❷ ملکِ تام حاصل ہو

زکوٰۃ اس مال پر فرض ہوگی جو صاحبِ مال کی کامل ملکیت میں ہو۔ خواہ یہ ملکیت قبضہ کی صورت میں ہو یا غیر قبضہ کی صورت میں۔ لیکن ملکیت بہر حال ایسی ہونی چاہئے کہ مالک کو اس مال پر تصرف کا پورا اختیار ہو اور اسے ہی فقہا کی اصطلاح میں 'ملکِ تام' کہا جاتا ہے۔ گویا کوئی ایسا مال جو گم ہو جائے یا ضائع ہو جائے یا اس پر کوئی اور تسلط جما لے یا چوری ہو جائے یا ناقابل واپسی قرض کی سی حیثیت اختیار کر جائے تو ایسی تمام صورتوں میں اس پر ملکِ تام کا چونکہ اطلاق نہیں کیا جا سکتا اس لئے ایسے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی جائے گی، اِلا یہ کہ جب کبھی ایسا گمشدہ مال واپس مل جائے، یا چوری شدہ مال برآمد ہو جائے، یا قرض میں ڈوبا ہوا مال واپس ہاتھ آ جائے تو پھر ان پر دیگر شرائطِ زکوٰۃ کی روشنی میں زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

دیگر شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ اگر ان پر ملکیت میں آنے کے بعد سال نہیں گزرا تھا تو سال گزرنے کا انتظار کیا جائے۔ جمہور فقہا کا فیصلہ تو یہی ہے اور ایک سال گزرنے کی شرط سے متعلقہ احادیث وآثار سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ تاہم بعض فقہا اس کے برعکس اس رائے کے قائل ہیں کہ جب ایسا مال دوبارہ ملکیت میں آ جائے تو گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ لیکن یہ رائے نہ صرف یہ کہ مرجوح ہے بلکہ تکلیف مالا یطاق بھی ہے۔ کیونکہ جب ایک مال کسی شخص کے ملکیت میں رہا ہی نہیں اور ایک عرصہ تک اِسی وجہ سے اس مال سے مزید نفع حاصل کرنے پر بھی وہ قادر نہ رہا تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر اس سارے عرصہ کی زکوٰۃ آخر کیوں فرض قرار دی جائے؟ اور ویسے بھی قرآنِ مجید نے زکوٰۃ کے حوالے سے یہ بات کہی ہے کہ ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً.....﴾ اور ﴿وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ.....﴾ اور ﴿اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ.....﴾

یعنی زکوٰۃ اس مال پر ہے جو انسان کی ملکیت میں ہو جبکہ اس پر سال گذرنے کی شرط (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) احادیث سے ثابت ہے، لیکن جو مال انسان کی ملکیت ہی میں نہ رہا یا اس پر ایک سال کا عرصہ ہی نہیں گزرا تو پھر اس مال پر اصولاً زکوٰۃ فرض قرار نہیں دی جاسکتی، تاوقتیکہ اس پر سال کا دورانیہ پورا ہو جائے۔

❸ مالِ 'نامی' (نشوونما کا متحمل) ہو

یعنی زکوٰۃ اس مال پر دی جائے گی جو بالفعل یا بالقوۃ نشوونما کے قابل ہو یا دوسرے لفظوں میں زکوٰۃ اس مال سے دی جائے گی جس میں نمو حقیقی یا نمو تقدیری کی خاصیت پائی جائے۔ نمو حقیقی سے مراد یہ ہے کہ حقیقی طور پر اس مال کی افزائش اور نشوونما ہوتی رہے مثلاً جانور بذریعہ پیدائش، مال و دولت بذریعہ تجارت اور زمین بذریعہ پیداوار افزائش حقیقی کی خاصیت رکھتی ہے جبکہ نمو تقدیری کا معنی یہ ہے کہ اس میں افزائش کی خاصیت بالفعل تو موجود نہ ہو مگر بالقوۃ اس میں یہ خاصیت پائی جاتی ہو مثلاً نقدی، کرنسی وغیرہ ایسی اشیا ہیں جن میں از خود اضافہ اور افزائش تو نہیں ہوتی مگر ان میں افزائش کی خاصیت موجود ہوتی ہے اور وہ اس طرح کہ اگر انہیں تجارت میں لگایا جائے تو افزائش و نمو حاصل ہو سکتی ہے۔

زکوٰۃ کے لئے 'مالِ نامی' کی شرط کی دلیل کیا ہے، اس ضمن میں علامہ یوسف قرضاوی رقم طراز ہیں کہ

''فقہاءِ کرام نے یہ شرط رسول اللہ ﷺ کی سنتِ قولی اور سنتِ عملی سے اَخذ کی ہے اور اسی سنت پر صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدین کا عمل رہا ہے یعنی آپؐ نے ذاتی استعمال میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنے والی اشیا پر زکوٰۃ واجب نہیں فرمائی، جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ ''کسی مسلمان پر اس کے گھوڑے اور اس کے غلام میں صدقہ نہیں۔'' امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے ذاتی استعمال کے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (شرح مسلم از نوویؒ: ج ۷/ص ۵۵) اور رسول اللہ ﷺ نے صرف نفع بخش و افزائش رکھنے والے مال پر زکوٰۃ عائد فرمائی ہے..... (یعنی مویشیوں، نقدی، اور فصلوں وغیرہ پر۔ ناقل) احکامِ شرعیہ کی تعلیل کے قائل فقہا کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ان مذکورہ بالا اموال میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کی علت یہ ہے کہ ان اموال میں یا تو بالفعل (فی الوقت) افزائش موجود ہے یا ان میں افزائش کی صلاحیت اور امکان موجود ہے۔''(۱)

واضح رہے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دورِ حاضر میں رہائشی مکانوں اور بڑی بڑی عمارتوں، فلیٹوں اور دکانوں وغیرہ میں بھی 'نمو' کی خاصیت پائی جاتی ہے، اس لئے ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہونی چاہئے مگر ان کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ ہر مالِ نامی محل زکاۃ نہیں ہوتا مثلاً ذاتی استعمال کی اشیا میں گردش ایام کے ساتھ کتنا ہی نمو کیوں نہ ہوتا چلا جائے ان پر زکاۃ لاگو نہیں ہوگی، اس لیے کہ شریعت نے انہیں زکاۃ سے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے، اسی طرح ذرائع پیداوار اور آلات تجارت کتنے ہی قیمتی کیوں نہ ہو جائیں انہیں بھی آنحضرتؐ نے زکاۃ سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ اس کی مزید تفصیل شرط نمبر ۴ اور نمبر ۷ کے تحت ملاحظہ فرمایئے۔

❹ مال زائد از ضرورت ہو

زکوٰۃ اس مال سے دی جائے گی جو انسان کی بنیادی ضروریات سے زائد ہو۔ اس سلسلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں: ایک تو اس شرط کی شرعی دلیل اور دوسری یہ کہ بنیادی انسانی ضروریات کی حد کیا ہے؟ جہاں تک اس مسئلہ کی شرعی دلیل کا تعلق ہے تو اس

(۱) [فقہ الزکوٰۃ از یوسف القرضاوی مترجم: ساجد الرحمٰن صدیقی، (ج ۱/ ص ۱۸۹ تا ۱۹۰)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلسلہ میں فقہا قرآنِ مجید کی اس آیت سے استشہاد کرتے ہیں:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ (البقرۃ:۲۱۹)

''لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں؟ آپؐ فرما دیجئے کہ (وہ خرچ کرو) جو تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو۔''

اس آیت کی تفسیر میں صحابہ کرامؓ و تابعین سے بھی یہی منقول ہے کہ اس 'عفو' سے مراد وہ چیز ہے جو اہل خانہ کی ضروریات سے زائد ہو۔[۱]

جبکہ بہت سی احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے مثلاً

i) ''انما الصدقة عن ظهر غنى''[۲]

''زکاۃ صرف غنی پر فرض ہے۔'' بعض شارحین نے اس کا یہ مفہوم بھی بیان کیا ہے کہ ''زکاۃ اس پر فرض ہے جو زکاۃ دینے کے بعد بھی غنی رہے، محتاج اور فقیر نہ ہو جائے''[۳]

ii) ''لا صدقة إلا عن ظهر غنى''[۴]

''زکاۃ صرف غنی پر فرض ہے۔''

iii) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اللہ کے رسولؐ سے عرض کیا کہ ''میرے پاس ایک دینار ہے (اس کا مصرف کیا ہو؟) آپؐ نے فرمایا کہ اسے اپنے اوپر خرچ کرلو۔ اس نے پھر عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو۔ اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور بھی ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور بھی ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر جہاں مناسب سمجھو، اسے وہاں خرچ کرو۔''[۵]

---

(۱) [(تفسیر ابن کثیر (ج۱/ص۳۸۳)]

(۲) [احمد (۵۰۱/۲)]

(۳) [دیکھئے شرح السنۃ (ج۶/ص۱۷۹)]

(۴) [مسند احمد (۲۳۰/۲)]

(۵) [(مسلم؛ کتاب الزکاۃ]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ روایت اگرچہ نفلی صدقہ سے تعلق رکھتی ہے، تاہم یہاں محل استشہاد یہ ہے کہ صدقہ خواہ نفلی ہو یا فرضی، یہ اسی مال سے ادا کیا جائے گا جو زائد از ضرورت ہو۔

اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ انسان کی بنیادی و اصلی ضروریات کی حد کیا ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں مختلف فقہا نے اپنے اپنے ادوار کی مناسبت سے مختلف اشیا کو حاجاتِ اصلیہ اور ضروریاتِ زندگی قرار دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہیں کسی خاص دور کی مناسبت سے حتمی طور پر متعین نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حالات کی تبدیلی سے انسانی ضروریات کا دائرہ بھی بدلتا رہتا ہے۔ کبھی اگر دو چادریں، ایک خیمہ یا جھونپڑی اور گدھا، گھوڑا وغیرہ ضروریاتِ زندگی متصور ہوتے تھے تو اب ان کی جگہ سلے ہوئے کپڑوں کے جوڑے، موٹر گاڑیاں اور پختہ تعمیر شدہ مکان وغیرہ اشیاءِ ضرورت بلکہ زندگی کا لازمی حصہ بن چکے ہیں۔ اور پھر ہر انسان کی اشیاءِ ضرورت دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں مثلاً ایک شخص کے پاس کسی وجہ سے مہمانوں کی آمدورفت کا تانتا بندھا رہتا ہے تو اس کی ضروریات اس شخص سے مختلف ہوں گی جس کے پاس مہینوں بعد ہی کوئی مہمان آتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اس بات کا تو خیال رکھا ہے کہ زکوٰۃ اس مال پر نکالی جائے جو زائد از ضرورت ہو مگر شریعت نے ضروریات اور زائد از ضروریات کا یہ کہہ کر تعین نہیں کیا کہ فلاں فلاں اشیا تو ضروریات میں شامل ہیں اور فلاں فلاں اس سے مستثنیٰ۔ بلکہ حاجاتِ اصلیہ (یعنی اشیاءِ ضرورت) اور زائد از ضرورت کا تعین انسان کی نیت، حالات کی مناسبت اور معاشرے کے عرف و معمول پر چھوڑ دیا ہے۔

لیکن ہمارے ہاں ایک عجیب صورت یہ پیدا ہوچکی ہے کہ بہت سی غیر ضروری چیزیں ہم اپنی بنیادی ضروریات کی چیزیں سمجھ بیٹھے ہیں اور بہت سی 'آسائشوں' کو ہم اپنی 'احتیاجات' کی حیثیت دے چکے ہیں۔ علاوہ ازیں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جنہیں محض خوبصورتی اور خواہش کثرت کے پیش نظر ہم اپنے گھریلو سامان میں شامل کرنا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

'ضرورت' سمجھنے لگے ہیں۔ اسی طرح اگر ۵، ۱۰ مرلہ کے ایک مکان میں رہائشی ضرورت بآسانی پوری ہوسکتی ہے تو پھر بھی ہم اس کی جگہ ایک دو کنال رقبہ پر مشتمل مکان کو رہائشی ضرورت کا ہدف بنالیتے ہیں۔ اگر ایک گاڑی ذاتی استعمال کے لئے کافی ہوسکتی ہے تو پھر بھی ایک کی بجائے دو یا تین گاڑیاں ہی اب ہماری 'ضروریات' میں شامل ہوگئی ہیں۔ حتیٰ کہ بعض لوگ محض زکوٰۃ سے بچنے کے لئے زائد نقدی سے کوئی ایسی شے خرید لیتے ہیں جو ایک طرف گھریلو استعمال میں شامل ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوجاتی ہے اور دوسرے طرف حسب ضرورت اسے نقد ونقد بیچنا بھی آسان ہوتا ہے۔ یہ رویہ اُصولی طور پر غلط ہے۔ اگر تو زکوٰۃ سے بچنے کی نیت سے کوئی ایسا حیلہ کیا جائے تو حاکم وقت زبردستی بھی زکوٰۃ وصول کرسکتا ہے اور اگر بے جا تعیش اور اسراف وتبذیر کے پیش نظر ایسا کیا جائے تو پھر اگرچہ ان ذاتی استعمال کی اشیاء پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی تاہم اس فضول خرچی کی اسلام مذمت ضرور کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَاتُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَايُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾[الاعراف:۳۱]

''کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا''۔ اسی طرح قرآن مجید کی ایک اور آیت میں ہے کہ

﴿وَلَاتُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ﴾[بنی اسرائیل:۲۷]

''اسراف اور بے جا خرچ کرنے سے بچو، بے جا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں''

ذاتی استعمال کی اشیاء اور مختلف شبہات

گزشتہ چودہ صدیوں سے اُمت مسلمہ کے اہل علم کا یہ متفقہ فیصلہ چلا آرہا ہے کہ ذاتی استعمال کی اشیا خواہ وہ کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہوں، ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں قرآن وسنت میں ایک بھی ایسی دلیل موجود نہیں جس میں یہ صراحت ہو کہ ذاتی استعمال کی اشیا (مثلاً گھر، سواری وغیرہ) پر زکوٰۃ ہے جبکہ اس کے برعکس بعض ایسے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلائل موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذاتی استعمال کی اشیا پر زکوٰۃ نہیں۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"ليس على المسلم صدقة في عبده ولا في فرسه" (۱)

"کسی مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔"

مذکورہ روایت میں غلام اور گھوڑے کا ذکر ہے، اس لئے کہ اہل عرب کے ہاں یہ دو چیزیں ذاتی استعمال کے لئے معروف تھیں۔ غلام گھریلو ضروریات کے لئے اور گھوڑا (جہاد وقتال کے علاوہ) ذاتی سواری کے لئے۔ اسی طرح خچر اور گدھا بھی بطور سواری استعمال کیا جاتا تھا، اس لئے آپؐ نے اسے بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ (۲)

انہی چیزوں پر قیاس کرتے ہوئے دورِ حاضر کی نئی سواریاں (مثلاً موٹر سائیکل، کار وغیرہ) بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دی جائیں گی، جبکہ ذاتی استعمال کی دیگر اشیا مثلاً رہائشی مکان، گھریلو سامان وغیرہ کو بھی غلام پر قیاس کرتے ہوئے زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا۔ اس کی تائید دو باتوں سے ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ آپؐ نے ذاتی استعمال کی چیزوں پر کبھی زکوٰۃ عائد نہیں فرمائی اور دوسری یہ کہ صحابہ کرامؓ کا بھی یہی موقف رہا ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے:

" ليس في العروض زكوٰة إلا ما كان للتجارة" (۳)

"سامان وغیرہ (یعنی ذاتی استعمال اور صرف کی چیزوں) میں کوئی زکوٰۃ نہیں الا یہ کہ یہ چیزیں تجارت کے لئے رکھی ہوں (تو پھر ان پر زکاۃ فرض ہوگی)۔"

یہی موقف حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ کا تھا جبکہ اس مسئلہ میں صحابہ و تابعین اور ائمہ سلف وغیرہ میں سے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا بلکہ امام ابن منذرؒ تو

---

(۱) [بخاری: کتاب الزکاۃ: باب لیس علی المسلم فی عبدہ صدقۃ (۱٤٦٤)]

(۲) [دیکھئے: سنن دارقطنی (۹۵)]

(۳) [سنن بیہقی (ج٤/ ص۱٤۷)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مسئلہ پر اجماع کا دعویٰ نقل کرتے ہیں کہ

"وأجمعوا على أن في العروض التي تدار للتجارة الزكوٰة إذا حال عليها الحول / زکوٰۃ صرف اس مال اور سامان میں ہوگی جو تجارت کے لئے رکھا ہو اور اس پر ایک سال بھی گزر چکا ہو۔"(۱)

گزشتہ چودہ صدیوں میں کسی نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا تاہم دورِ حاضر میں بعض عرب علما نے اس میں اختلاف کیا اور اب یہ آواز پاکستان میں بھی سنائی دی جارہی ہے۔ اگرچہ اس مسئلہ میں ہم تو صحابہ وتابعین اور جمہور اُمت کے پیروکار ہیں تاہم اس سلسلہ میں پیش کئے جانے والے بعض شبہات کا جائزہ لینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے:

❑ اس سلسلہ میں ڈاکٹر وہبہ الزحیلی اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وبالرغم من أن جمهور فقهائنا لم ينصوا على وجوب الزكوٰة في هذا النوع فإني أرى ضرورة الزكوٰة فيها لوجود علة وجوب الزكوٰة فيها وهي النماء والحكم يدور مع علته وجودا أو عدما....."(۲)

"اگرچہ جمہور فقہا نے رہائشی گھروں، گھریلو سامان، آلات تجارت اور ذاتی استعمال کی سواریوں پر زکوٰۃ کو فرض قرار نہیں دیا جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر آئے ہیں۔ لیکن میں ان تمام چیزوں پر بھی زکوٰۃ فرض خیال کرتا ہوں۔ اس لئے کہ وجوب زکوٰۃ کی ایک علت 'نما' (بڑھوتری، افزائش) بھی ہے اور وہ ان سبھی چیزوں میں پائی جاتی ہے اور حکم کا دارومدار چونکہ علت پر ہوتا ہے اس لئے ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہونی چاہئے۔"

'نمو/نما' کیا ہے، اس کی تفصیل شرط نمبر ۳ کے تحت ہم ذکر کر آئے ہیں تاہم محض 'نمو' کو علت بنا کر ہر مالِ نامی کو موجب زکوٰۃ قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ ان میں سے بعض چیزوں کو شریعت نے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے مثلاً رہائشی مکان، گھریلو استعمال کی چیزیں،

---

(۱) ['الاجماع' ازابن المنذرؒ (ص ۱٤٥)]

(۲) [الفقه الاسلامي وادلته: ازدكتور وهبة الزحيلي (ج ۲/ص ۸٦٤)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذاتی سواری اور آلاتِ تجارت وغیرہ اور اس استثنیٰ پر اُمت کا اجماع ہے جس کی خلاف ورزی بہر طور نہیں کی جاسکتی۔ (یاد رہے کہ آلاتِ تجارت کے حوالے سے مزید تفصیل شرط نمبر ۷ کے ضمن میں آ رہی ہے)

□ اس ضمن میں ایک یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ چونکہ جو شخص 'غنی' ہو، اس پر زکوٰۃ فرض ہے لہٰذا جس کے پاس ۵، ۱۰ لاکھ کا ذاتی مکان ہو، لاکھوں روپے کی گاڑی (ذاتی سواری) ہو اس پر بہر حال زکوٰۃ فرض قرار دی جانی چاہئے، کیونکہ وہ 'غنی' کے حکم میں ہے!

اگرچہ غنی ہونا بھی وجوبِ زکوٰۃ کی ایک شرط ہے جس کی تفصیل اسی شرط نمبر (۴) کے آغاز میں ہم پیش کر آئے ہیں لیکن غنا کی جو حدود شریعت نے متعین کی ہیں، وہ بھی ہمیں مدنظر رکھنا ہوں گی مثلاً کسی شخص کے پاس ۴ اونٹ یا ۳۹ بکریاں یا ۱۹۹ درہم چاندی یا ۱۹ دینار سونا ہو تو کیا وہ شخص غنی نہیں؟ لیکن اس کے باوجود شریعت نے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں کی جب تک کہ اس کا نصاب پورا نہ ہو جائے۔ اسی طرح محض رہائشی مکان اور سواری کی ملکیت رکھنے والے کو شریعت نے 'غنی' قرار دے کر اس پر زکوٰۃ فرض نہیں کی جیسا کہ گزشتہ دلائل سے ثابت ہو چکا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس واقعاتی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ بہت سے لوگ ذاتی رہائش اور ذاتی سواری کے مالک ہونے کے باوجود خود زکوٰۃ کے مستحق ہوتے ہیں چہ جائیکہ ان سے زکاۃ وصول کی جائے!

□ اسی طرح ایک شبہ یہ اُٹھایا جاتا ہے کہ جس دور میں ذاتی رہائش اور سواری کو مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا تب ان چیزوں کی مالیت نہایت معمولی تھی مگر اب چونکہ ان کی مالیت بہت بڑھ چکی ہے اس لئے ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہونی چاہئے۔

اس اعتراض کی بھی کوئی حقیقت نہیں اس لئے کہ دورِ حاضر میں رہائشی مکانوں اور جدید سواریوں کی قیمتیں کتنی ہی کیوں نہ بڑھ جائیں جب شریعت نے ان پر زکوٰۃ عائد نہیں کی تو ہم ان پر زکوٰۃ عائد کرنے والے کون ہوتے ہیں! جبکہ دوسری بات یہ ہے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس دور میں بھی اونٹ، گھوڑے اسی طرح قیمتی تھے جس طرح دورِ حاضر کی گاڑیاں، حتیٰ کہ اس سلسلہ میں بعض ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ ایک ایک گھوڑا سو سو اونٹوں سے قیمتی ہوتا تھا(۱)

اور آج بھی ایسے قیمتی گھوڑے موجود ہیں۔ اس لئے ذاتی استعمال کی چیزوں پر زکوٰۃ فرض قرار دینا شریعت سے بغاوت ہے خواہ اس کے پیچھے کتنی ہی خیر خواہی کا جذبہ کیوں نہ کارفرما ہو۔ اور یہ بات یاد رہے کہ ذاتی اور گھریلو استعمال کی اشیا کو زکاۃ سے مستثنیٰ قرار دینا کوئی نئی رائے نہیں بلکہ گزشتہ چودہ صدیوں سے فقہائے امت کا اس پر اتفاق رہا ہے۔ جیسا کہ خود وہبہ زحیلی نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔(۲)

❺ ایک سال کا عرصہ گزر جائے

یعنی زکوٰۃ اس مال سے ادا کی جائے گی جس میں دیگر شرائط کے ساتھ یہ شرط بھی پائی جاتی ہو کہ وہ مال صاحبِ مال کے پاس ایک سال تک رہا ہو۔ سال پورا ہونے پر اس کی زکوٰۃ نکالنا فرض ہے جبکہ سال پورا ہونے سے پہلے ہی اگر کوئی چاہے تو بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ یک سالہ دورانیہ کی شرط کی دلیل یہ حدیثِ نبوی ہے:

"لا زکوٰۃ فی مال حتی یحول علیه الحول" (۳)

"کسی مال میں اس وقت تک زکاۃ فرض نہیں جب تک کہ اس پر ایک سال نہ گزر جائے۔"

---

(۱) [دیکھئے: 'نصب الرایہ' از امام زیلعی حنفیؒ (۳/۳۵۹)]

(۲) [اس ضمن میں مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: مجموع الفتاویٰ از شیخ ابن بازؒ (ج۱۴/ص ۱۶۴، ۱۷۲) فتاویٰ اللجنة الدائمة (ج۹ ص ۳۱۴، ۳۳۴) شرح مسلم از نووی (ج ۹ص ۳۱۴، ۳۳۴) تفہیم المسائل از گوہر رحمن (ج ۳ص ۱۳۳، ۴۰۵) فقه الزکاة از یوسف القرضاوی (ج۱ص ۴۳۶، ۴۳۷) فتاویٰ اہلحدیث از حافظ عبد اللہ روپڑی (ج۲ص ۵۲۲) احکام و مسائل از مولانا عبد المنان نور پوری (ج۱ص ۲۷۴)]

(۳) [المغنی، لابن قدامه (ج۴/ص۴۶)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ اس روایت کی سند میں ضعف ہے اور ایک سال مدت کو معتبر تسلیم کرنے میں بھی بعض اہل علم نے اختلاف کیا ہے تاہم ہمارے نزدیک یہی رائے مبنی برانصاف ہے اور اکثر وبیشتر ائمہ سلف نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔[1] بلکہ امام ابن منذر نے تو اس شرط کے وجوب پر اجماعِ امت کا بھی دعویٰ کیا ہے۔[2]

البتہ قرآن وسنت کے دیگر دلائل کی بنیاد پر بعض چیزیں اس سے مستثنیٰ ہیں مثلاً کھیتی کی زکوٰۃ (جسے 'عشر' کہا جاتا ہے) اس وقت نکالی جائے گی جب کھیتی پکنے کے بعد کاٹ لی جائے۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے: ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ (الانعام:۱۴۱)

''اور اس (کھیتی) کے کاٹنے کے دن اس کا حق (زکاۃ) ادا کرو۔''

اسی طرح مدفون خزانوں کی زکوٰۃ کے لئے بھی سال کی شرط نہیں بلکہ جب خزانہ حاصل ہوگا تبھی اس کی زکوٰۃ دی جائے گی۔ اور یاد رہے کہ مدفون خزانوں کی زکاۃ آنحضرت ﷺ نے ۵/۱ یعنی پانچواں حصہ مقرر کی ہے۔[3]

دورانِ سال حاصل ہونے والا اضافی مال

دورانِ سال حاصل ہونے والے اضافی مال کی تین صورتیں ہیں:

① ایک تو یہ کہ وہ اضافی مال پہلے مال ہی کا نتیجہ اور فائدہ ہو مثلاً پہلے سے موجود جانوروں کے مزید بچے پیدا ہو جائیں یا کاروبار میں نفع ہو تو اس نوعیت کے اضافی مال کو پہلے سے موجود مال ہی کے ساتھ ضم سمجھا جائے گا اور گزشتہ مال کے ساتھ اسے بھی زکوٰۃ میں شامل کیا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے زکوٰۃ وصول کرنے والے عامل سے کہا:

" اعتد عليهم بالسخلة يروح بها الراعي على يديه ولا تأخذها منهم"

(۱) [دیکھئے: زاد المعاد؛ لابن قیمؒ (ج ۱/۳۰۷)]

(۲) [دیکھئے: الاجماع (ص ٤٤)]

(۳) [بخاری: کتاب الزکاۃ: باب فی الرکاز الخمس (۱٤۹۹)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''زکاۃ کے جانوروں میں اس بچے کو بھی شمار کرو جسے چرواہا اپنے ہاتھوں میں اٹھائے پھرتا ہے البتہ یہ بچہ بطور زکاۃ وصول نہ کرنا۔''(۱)

اسی طرح ڈاکٹر وہبہ الزحیلی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں مذاہب اربعہ کے تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ جانوروں کے بچے بھی نصاب زکاۃ میں شمار کیے جائیں گے۔(۲)

چالو کاروبار اور مسئلہ زکاۃ

واضح رہے کہ چالو کاروبار میں رأس المال پر حاصل ہونے والا منافع اصل مال کے تحت شمار ہوگا اور اس پر زکوٰۃ رأس المال کے حساب سے نکالی جائے گی مثلاً اگر ایک لاکھ سرمائے سے کاروبار شروع کیا گیا اور دورانِ سال ۱۰ ہزار کا نفع اسی لاکھ سے حاصل ہوا تو سال کے اختتام پر ایک لاکھ دس ہزار سے زکوٰۃ نکالی جائے گی نہ کہ صرف ایک لاکھ سے۔ کیونکہ یہ دس ہزار کا نفع اسی مال سے حاصل ہوا ہے اس لئے اس نفع (فرع) کو رأس المال (یعنی اصل) کے تحت شمار کیا جائے گا اور اس سے زکاۃ نکالی جائے گی، البتہ ایک صورت اس سے مستثنیٰ ہے جو آگے آرہی ہے۔

② دوسری صورت یہ ہے کہ دورانِ سال حاصل ہونے والا مال جنس یا نوعیت کے لحاظ سے پہلے مال سے مختلف ہو مثلاً اگر پہلے جانور تھے اور دورانِ سال نقدی حاصل ہوگئی یا ایک لاکھ سرمایہ تھا اور دورانِ سال مزید رقم حاصل ہوگئی مگر یہ رقم سرمایہ کے نفع کے طور پر نہیں بلکہ کسی اور ذریعے (ہبہ، وراثت، تنخواہ وغیرہ) سے حاصل ہو تو ایسی نئی رقم کو پچھلی رقم کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا بلکہ اسے الگ شمار کرتے ہوئے ایک اس پر سال کا دورانیہ گزارا جائے گا۔(۳)

---

(۱) [نصبَ الرایة: (۲/۳۵۵) موطأ، کتاب الزکاۃ(۲۶)]

(۲) [الفقه الاسلامی وادلته از وهبه الزهیلی (ج۲/ص۸۵۷)]

(۳) [مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الفقه الاسلامی از وهبة الزحیلی (ج۲/ ص۸۵۸، ۸۵۹)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ اس کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی ہے جسے متقدمین نے بیان کیا ہے۔ علامہ یوسف قرضاوی اسے بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ

''اگر مالِ مستفاد (یعنی دورانِ سال حاصل ہونے والا مال) اس مال کی نوع سے ہو جو اس کے پاس بقدرِ نصاب پہلے سے موجود ہے اور اس کے اوپر سال کا کچھ حصہ گزر چکا ہو مثلاً یہ کہ کسی کے پاس چالیس بکریاں ہوں جن پر سال کا کچھ حصہ گزر چکا ہو اور دورانِ سال وہ سو(۱۰۰) بکریاں اور خرید لے یا اسے ہدیہ کردی جائیں تو امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے مطابق اس مالِ (مستفاد) پر سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی (سال سے پہلے نہیں) مگر امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ مال بھی پہلے مال میں باعتبارِ سال ملا دیا جائے گا اور وہ سارے مال کی اس وقت زکوٰۃ ادا کرے گا جب اس مال کا سال پورا ہو جو اس کے پاس پہلے سے موجود تھا۔ اس لئے کہ اس مال کو باعتبارِ نصاب تو ضم کیا ہی جائے گا تو لازم ہوا کہ اسے باعتبارِ حول (سال) بھی ضم کردیا جائے۔ جیسے جانوروں کے بچے (باعتبارِ نصاب اور باعتبارِ سال ضم ہوجاتے ہیں) نیز یہ کہ اس مالِ مستفاد کو باعتبارِ سال جدا رکھنے میں جانوروں کی زکوٰۃ میں تجزیہ کرنا ہوگا (کہ فلاں اور فلاں جانور کی یہ زکوٰۃ ہے اور فلاں اور فلاں کی یہ) اور وجوبِ زکوٰۃ کے اوقات میں فرق ہوجائے گا۔ (مثلاً چالیس بکریوں کی زکوٰۃ ماہِ محرم میں عائد ہورہی ہے اور باقی چالیس کی رمضان میں عائد ہوگی) اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مالک کو اپنی ملکیت کی تاریخیں بھی یاد رکھنا پڑیں گی اور یہ بھی حساب رکھنا پڑے گا کہ فلاں ملکیت پر کس وقت زکوٰۃ واجب ہورہی ہے اور کس قدر ہورہی ہے اور جو زکوٰۃ واجب ہو اس کی ادائیگی کی مقدار اس کو میسر اور اس کو ادا کرنا اس کے لئے ممکن ہو اور اس طرح یہ سلسلہ سارا سال چلتا رہے گا جو ظاہر ہے کہ بڑی تنگی کا باعث ہوگا اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج:۷۸)

''اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حرج (تنگی) کو دور کرنے کی غرض سے شریعت اسلامیہ نے پچیس سے کم اونٹوں پر اونٹوں کی غیر جنس سے زکوٰۃ فرض کی ہے (یعنی بکری) اور مویشیوں میں 'اوقاص' (نصاب زکوٰۃ میں وہ وقفے جو دو مقررہ مقداروں کے درمیان آتے ہیں) رکھے اور فوائد اور پیداوار کو اصل مال کے سال میں ضم کیا تاکہ یہ خرابیاں دور ہوسکیں جس سے یہ معلوم ہوا کہ ان خرابیوں کو دور کرنا ہی اصل علت ہے جس کو اختلافی صورت پر بھی منطبق کرنا چاہیے۔

مویشیوں میں امام مالک کی رائے بھی امام ابوحنیفہؒ کے مطابق ہے اور امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا ثمان (نقود) کے بارے میں یہی مسلک ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مسلک حنفی تطبیق میں زیادہ آسان اور پیچیدگی سے پاک ہے، اس لئے میرے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کا مسلک زیادہ قابل قبول ہے۔"(۱)

واضح رہے کہ علامہ یوسف قرضاوی نے جو مذکورہ بالا (تیسری) صورت میں اپنا راجح نقطہ نظر پیش کیا ہے، ہمیں اس سے اختلاف ہے۔ اس لئے کہ یہاں جس علت (یعنی حرج) کو بنیاد بنایا گیا ہے وہ سرے سے بنیاد ہی نہیں بنتی۔ یعنی اگر کسی کو دوران سال نئے جانور حاصل ہوتے ہیں جو پہلے جانوروں کی حاصل پیدائش نہیں تو ان نئے جانوروں کو نشان زد کرکے بھی علیحدہ کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح پہلے جانوروں اور نئے جانوروں میں اختلاط کی وہ پریشانی جسے موصوف امام ابوحنیفہؒ کے حوالے سے پیش کررہے ہیں، پیدا ہی نہیں ہوگی، جبکہ مویشی پالنے والوں کے ہاں یہ طریقہ عرصہ دراز سے کامیاب چلا آرہا ہے۔ واللہ أعلم!

---

(۱) [فقه الزكوٰة، مترجم (ج۱/ ص۲۲۳ تا۲۲۵)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❻ صاحبِ نصاب مقروض نہ ہو

وجوب زکوٰۃ کی ایک شرط یہ ہے کہ صاحب نصاب مقروض نہ ہو۔ اس شرط کی تائید کے بارے میں چند صریح روایات و آثار بھی منقول ہیں مگر ان کی صحت میں کلام ہے جبکہ دیگر عمومی دلائل سے بھی فقہا نے اس شرط کو ثابت کیا ہے۔ مثلاً ایک شخص کے پاس ایک لاکھ رقم موجود ہے اور اتنی ہی رقم اس پر قرض بھی ہے تو اس قرض کی وجہ سے اس شخص سے زکوٰۃ معاف ہوجائے گی۔ بلکہ قرض کی بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں مقروض شخص مستحق زکوٰۃ بن جاتا ہے۔ اسی لئے زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک مصرف 'مقروض' بھی ہے۔ لیکن اس حوالے سے یہ بات یاد رہے کہ زکوٰۃ اسی مقروض سے معاف ہوگی جس کے پاس بنیادی ضروریات کے علاوہ اتنا سامان یا نقدی موجود نہ ہو جس کے ذریعے وہ اپنا قرض اُتار سکتا ہو۔ لیکن اگر اس کے پاس حقیقی ضروریات کے علاوہ اتنا سامان اور نقدی موجود ہو کہ وہ اس کے ذریعے اپنا قرض اُتار سکتا ہے اور اپنا ذریعہ معاش بھی برقرار رکھ سکتا ہے تو پھر اس پر زکوٰۃ نکالنا فرض ہے بشرطیکہ وہ صاحب نصاب ہو چکا ہو۔

ان دونوں صورتوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ اگر مطلق طور پر ہر مقروض پر زکوٰۃ فرض قرار دے دی جائے تو پھر بہت سے مقروض حضرات کے لئے یہ تکلیف مالا یطاق ہوگی جبکہ ایسا شخص جو حقیقی ضروریات سے بھی تہی دامن ہو اور اس کے ساتھ مقروض بھی ہو، تو شریعت نے اسے مستحق زکاۃ کی فہرست میں شمار کیا ہے اور اسی طرح اگر ہر مقروض کو علی الاطلاق زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے تو پھر بہت سے اغنیا اور صاحب زکوٰۃ اس فریضے سے بری ہوجائیں گے کیونکہ کوئی شخص کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو، وہ اپنے کاروبار کو ترقی دینے کے لئے مزید قرض بھی لیتا ہے اور ویسے بھی کاروبار میں قرض کا لین دین معمول کی بات ہے، اس لئے جو شخص مقروض ہو اسے چاہئے کہ اپنے کل قرض کی رقم کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حساب لگائے پھر اپنی بنیادی ضروریات سے زائد مال کا حساب لگائے اور اس میں سے قرض کو منہا کردے پھر جو رقم باقی بچے، اس میں سے زکوٰۃ ادا کردے۔

طویل المیعاد قرضے اور زکاۃ؟

قرض کے ضمن میں فقہا کا اس بات پر شروع سے اختلاف رہا ہے کہ قرض میں دی گئی رقم کی زکاۃ قرض دینے والے پر لاگو ہوتی ہے یا قرض لینے والے پر؟ بعض فقہا کے بقول قرض کی رقم کی زکاۃ قرض لینے والے کے ذمہ ہے اور اس کی دلیل وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ وجوب زکاۃ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ متعلقہ مال صاحب مال کی کامل ملکیت میں ہو جبکہ قرض کی رقم ملکیت ہونے کے باوجود ایک عرصہ تک کے لئے کسی اور کی ملکیت میں چلی جاتی ہے اور اصل مالک کی بجائے دوسرا شخص ہی اس سے فائدہ اٹھا رہا ہوتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس مال سے زکاۃ بھی وہی ادا کرے جو اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ (ایک معروف فقہی قاعدہ ہے کہ ''الخراج بالضمان'' یعنی جو شخص کسی چیز سے نفع حاصل کرتا ہے، اس میں نقصان کی صورت میں بھی وہی ذمہ دار ہے'' اس قاعدہ کی روشنی میں بھی مذکورہ بالا موقف کی تائید ہوتی ہے)

جبکہ دوسری طرف فقہا کی ایک بڑی تعداد کے بقول قرض کی رقم کی زکاۃ قرض لینے والے کے ذمہ نہیں بلکہ یہ قرض دینے والے ہی کے ذمہ ہے کیونکہ بنیادی طور پر تو یہ اسی کی ملکیت ہے باقی رہی یہ بات کہ ملکیت سے خارج ہونے کی وجہ سے وہ ایک عرصہ تک اس رقم سے استفادہ نہیں کرسکتا، بلکہ کوئی اور اس کے مال سے استفادہ کرتا ہے تو یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے مگر اتنی مدت کے عوض اسے اللہ تعالیٰ اجر وثواب سے نوازیں گے کیونکہ اس نے ایک انسان کے ساتھ احسان کیا ہے (**هل جزاء الاحسان الا الاحسان!**)

راجح اور مبنی بر اعتدال موقف!

مذکورہ بالا اختلاف کی صورت میں ہمیں مبنی بر اعتدال صورت یہ دکھائی دیتی ہے کہ قرضوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے؛ ایک تو وہ قرضے جو تھوڑی مدت کے لئے ہوتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور دوسرے وہ جو لمبی مدت کے لئے ہوتے ہیں۔طویل المیعاد قرضوں میں زکاۃ کے سلسلہ میں وہ فتوای دیا جائے جو فقہا کے پہلے گروہ کا ہے جبکہ صغیر المیعاد قرضوں میں وہ رائے اختیار کی جائے جو فقہا کے دوسرے گروہ کی ہے۔علاوہ ازیں طویل المیعاد قرضوں میں نقصان کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر کرنسی کی ویلیو (قدر زر) غیر معیاری ہو تو ایک طویل عرصہ کے بعد اس رقم کی حیثیت کافی گر چکی ہوتی ہے، جو قرض دینے والے کے لئے باعث خسارہ بھی ہے اور اگر اس کے ساتھ اس پر زکاۃ کا بوجھ بھی ڈال دیا جائے تو عین ممکن ہے کہ سود کے بغیر قرض دینے والے اہل ثروت بوقت ضرورت دوسروں کو قرض دینے سے بھی ہاتھ کھینچ لیں اور جو کوئی ازراہ مجبوری کسی کو قرض دے گا وہ مذکورہ بالا نقصانات کے پیش نظر تکلیف مالا یطاق کا شکار ہوگا!

طویل المیعاد قرضوں کے ضمن میں یہ مثال دی جاسکتی ہے کہ ایک شخص کرائے پر مکان/دکان یا کوئی بھی قیمتی چیز حاصل کرتا ہے اور کرائے کے علاوہ بھی بطور پگڑی (ضمانت) ایک بڑی رقم مثلا ایک لاکھ روپیہ دس بارہ سالوں کے معاہدہ پر مالک کو جمع کرا دیتا ہے۔اب اگر یہ شخص معاہدے میں طے شدہ کئی سال تک اپنے اس جمع شدہ مال کی بھی زکاۃ ادا کرتا رہے تو عین ممکن ہے کہ معاہدہ ختم ہونے تک اس کے اس مال کا بڑا حصہ زکاۃ کی نظر ہو چکا ہو۔اور بالخصوص اس وقت جب نصاب کا معیار چاندی مقرر کیا گیا ہو۔جبکہ دوسری طرف وہ شخص جس کے پاس یہ رقم جمع تھی وہ اسے کاروبار میں لگا کر کئی گنا اضافہ کر چکا ہوگا۔اس لئے اسے ہی چاہئے کہ وہ اس کی زکاۃ بھی ادا کرے۔

واضح رہے کہ اس قرضے کو بنک میں جمع کروائی گئی رقم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ایک معاہدے کی بنیاد پر دیئے گئے قرضے اور بنک میں جمع کروائی گئی رقم میں بڑا فرق ہے۔بنک میں جمع کروائی گئی رقم تو حسب ضرورت حاصل کی جاسکتی ہے اس لئے وہ رقم گویا انسان ہی کی براہ راست ملکیت میں ہوتی ہے مگر معاہدے کی بنیاد پر دی گئی رقم حسب موقع نہیں مل سکتی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑦ مال مقررہ نصاب کو پہنچ چکا ہو

گزشتہ سطور میں زکوٰۃ کی جن شروط کا تذکرہ گذرا ہے، ان میں ایک یہ بھی تھی کہ متعلقہ مال زائد از ضرورت ہو، لیکن اس زائد از ضرورت کا یہ معنی نہیں کہ جتنا بھی مال زائد از ضرورت ہوگا، اس کی زکوٰۃ نکالی جائے گی بلکہ زائد از ضرورت کی شریعت نے ایک حد متعین کردی ہے جسے 'نصابِ زکوٰۃ' کہا جاتا ہے۔ جب زائد از ضرورت مال اس نصاب کو پہنچے گا تبھی اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، ورنہ نہیں۔

نصابِ زکوٰۃ کے حوالے سے شریعت دو پہلوؤں سے گفتگو کرتی ہے: ایک تو یہ کہ کون کون سا مال موجبِ زکوٰۃ ہے اور دوسرا یہ کہ اس مال کی کتنی مقدار پر کس قدر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ آئندہ سطور میں ان دونوں پہلوؤں پر بالتفصیل روشنی ڈالی جائے گی۔

موجبِ زکوٰۃ اموال کون سے ہیں؟

شریعت نے جن اَموال پر زکوٰۃ کو واجب قرار دیا ہے وہ یہ ہیں:

(i) حیوانات (ii) سونا، چاندی (اور نقدی، کرنسی) (iii) زمینی پیداوار (ان کی زکوٰۃ کو فقہی اصطلاح میں 'عشر' سے موسوم کیا جاتا ہے) اور (iv) تجارتی اموال.....

ان کی مزید تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(ا) حیوانات کی زکوٰۃ

حیوانات کی زکوٰۃ سے متعلقہ چند اہم شروط درج ذیل ہیں:

ا) ایک سال کا دورانیہ: متعلقہ حیوانات پر ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہو۔ ایک سال کے دورنیہ کی تفصیلات گزشتہ سطور میں (شرط نمبر ۵ کے ضمن میں) گزر چکی ہیں۔

۲) حیوانات سائمہ (باہر چرنے والے) ہوں: حیوانات کے حوالے سے دوسری شرط یہ ہے کہ متعلقہ حیوانات پورا سال یا سال کا اکثر و بیشتر حصہ باہر جنگلوں میں چرتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں یا دوسرے لفظوں میں انہیں چارہ ڈالنے کا کوئی خرچہ نہ آتا ہو (ایسے جانوروں کو احادیث میں 'سائمہ' کہا گیا ہے) لیکن اگر پورے سال یا سال کے اکثر حصے کا چارہ قیمتاً حاصل کیا جاتا ہو تو پھر ان جانوروں پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہوتا ہے:

i) "في كل خمس من الابل السائمة شاة"(۱)

"ہر پانچ سائمہ (باہر جنگل میں چرنے والے) اونٹوں پر ایک بکری زکوٰۃ ہے۔"

ii) "في كل سائمة إبل في أربعين بنت لبون" (۲)

"ہر چالیس سائمہ (باہر چرنے والے) اونٹوں پر ایک بنت لبون (ایسی اونٹنی جس کی عمر کا تیسرا سال شروع ہو چکا ہو) بطور زکوٰۃ دی جائے۔"

iii) "في صدقة الغنم في سائمتها إذا كانت أربعين إلى عشرين ومائة شاة"

"چالیس سے ۱۲۰ تک سائمہ بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ ہے۔"(۳)

واضح رہے کہ 'سائمہ' کے الفاظ اونٹوں اور بکریوں کے بارے میں ہیں تاہم جمہور فقہا نے اس پر قیاس کرتے ہوئے گائیوں کے بارے میں بھی یہی شرط بیان کی ہے اور وہ احادیث جن میں سائمہ یا غیر سائمہ (معلوفہ) کا کوئی فرق مذکور نہیں، ایسی (مطلق) احادیث کو انہوں نے ان مقید احادیث پر محمول کیا ہے جن میں سائمہ کا ذکر ہے۔ البتہ امام مالک غیر سائمہ پر بھی زکوٰۃ کو واجب قرار دیتے ہیں اور سائمہ کی شرط کو قید اتفاقی قرار دیتے ہیں۔(٤) لیکن ان کا یہ مسلک أقرب الی السنۃ معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم!

---

(۱) [مستدرك حاكم (۳۹٦/۱)]

(۲) [ابوداؤد: كتاب الزكاة: باب في زكاة السائمة (۱۵۷۵) احمد (٤،۲/۵) نسائی (۲٤٤۹)]

(۳) [بخاری: كتاب الزكاة: باب زكاة الغنم (۱٤۵٤) ابوداود: كتاب الزكاة (۱۵٦۷)]

(٤) [دیکھئے: حاشية الدسوقي على الشرح الكبير: (ج۱/ص٤۳۲) الفقه على المذاهب الاربعة (۵۹٦/۱)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳) حیوانات 'غیر عاملہ' ہوں: غیر عاملہ کا معنی یہ ہے کہ وہ جانور افزائش نسل کے لئے ہوں، بار برداری، کھیتی باڑی اور ایسی ہی دیگر خدمات کیلئے نہ ہوں جیسا کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے:

"لیس علی العوامل شیئ"(۱)

''کام کرنے والے جانوروں پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔''

اسی طرح حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ

''حرائثة (یعنی ہل چلانے والے) جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔''(۲)

مالکیوں اور ایک قول کے مطابق شافعی فقہا کے علاوہ دیگر تمام فقہا کا مذکورہ بالا شرط پر اتفاق ہے۔(۳)

اور راجح موقف بھی یہی ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے فقہا نے ہر طرح کے آلاتِ پیداوار کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔اس کی مزید تفصیل 'آلاتِ تجارت پر زکوٰۃ' کے تحت آئے گی۔

۴) حیوانات نصاب کو پہنچ چکے ہوں: جانوروں کی زکوٰۃ کے حوالے سے چوتھی اہم شرط یہ ہے کہ وہ شریعت کے مقرر کردہ نصاب پر پورے اُتر چکے ہوں اور وہ نصاب درج ذیل ہے:

اونٹوں کی زکوٰۃ

اونٹوں کی تعداد	زکوٰۃ
۱تا۴	کوئی زکوٰۃ نہیں

(۱) [ابوداؤد: کتاب الزکاۃ:(۱۵۷۲) دارقطنی (۱۰۳/۲)نصب الرایة (۳۵۳/۲)]

(۲) [کتاب الاموال(ص ۳۸۰)بحوالہ فقہ الزکوٰۃ(۲۳۲/۱)]

(۳) [دیکھئے:الموسوعة الفقهية الكويتية بذيل مادة 'زكاة' نیز دیکھئے: الفقه على المذاهب الاربعة ایضا)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵ تا ۹	ایک بکری زکوٰۃ میں دی جائے گی
۱۰ تا ۱۴	دو بکریاں
۱۵ تا ۱۹	تین بکریاں
۲۰ تا ۲۴	چار بکریاں
۲۵ تا ۳۵	بنت مخاض یعنی وہ اونٹنی جو ایک سال پورا کر کے دوسرے میں لگ چکی ہو اگر یہ نہ ہو تو پھر ایک مذکر ابن لبون اونٹ (جو دو سال پورے کر چکا ہو)
۳۶ تا ۴۵	ایک بنت لبون (دو سالہ اونٹنی)
۴۶ تا ۶۰	ایک حقہ (وہ اونٹنی جو تین سال پورے کر کے چوتھے میں داخل ہو چکی ہو)
۶۱ تا ۷۵	ایک جذعہ (وہ اونٹنی جو چار سال پورے کر کے پانچویں میں لگ چکی ہو)
۷۶ تا ۹۰	دو بنت لبون اونٹنیاں
۹۱ تا ۱۲۰	دو حقہ اونٹنیاں [1]

واضح رہے کہ ۱۲۰ اونٹوں تک جو مقدارِ زکوٰۃ ہم نے ذکر کی ہے، اس پر فقہا کا اتفاق ہے البتہ اس سے آگے اختلاف ہے۔ تاہم ۱۲۰ کے بعد جو مسلک ہمیں راجح معلوم ہوتا ہے اور صحیح احادیث سے بھی جس کی تائید ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ۱۲۰ کے بعد جس قدر بھی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے، اس کی زکوٰۃ کا فارمولا یہ ہوگا کہ ہر چالیس اونٹوں پر ایک بنت لبون اور ہر پچاس اونٹوں پر ایک حقہ دیا جائے یعنی اگر کسی کے پاس ۱۸۰/ اونٹ ہوں تو اسے دو حقے اور دو بنت لبون بطور زکوٰۃ دینا ہوں گی۔ [2]

گائیوں کی زکوٰۃ

گائیوں کی تعداد	زکوٰۃ
۱ تا ۲۹	کوئی زکوٰۃ نہیں

(۱) [دیکھئے: بخاری: کتاب الزکاۃ: باب زکاۃ الغنم (۱۴۵۴)]

(۲) [مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الباری (۳/ ۳۱۷، ۳۱۸) فقہ الزکوٰۃ (۱/ ۲۳۵ تا ۲۴۵)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۰ تا ۳۹	ایک تبیع (گائے کا وہ بچہ جو دوسرا سال شروع کر چکا ہو) بطور زکاۃ
۴۰ تا ۵۹	ایک مُسنہ (وہ گائے جو تیسرے سال میں لگ چکی ہو) بطور زکاۃ،

۶۰ اور اس سے آگے تعداد کے بارے میں زکوٰۃ کا فارمولا یہ ہے کہ ہر ۳۰ پر ایک تبیع اور ہر ۴۰ پر ایک مسنہ دیا جائے گا مثلاً اگر ۶۰ گائیاں ہو تو دو تبیع اور ۷۰ گائیاں ہوں تو ایک تبیع اور ایک مسنہ بطور زکوٰۃ دیا جائے گا۔ (۱)

بکریوں کی زکوٰۃ

بکریوں کی تعداد	زکوٰۃ
۱ تا ۳۹	کوئی زکوٰۃ نہیں
۴۰ تا ۱۲۰	ایک بکری
۱۲۱ تا ۲۰۰	دو بکریاں
۲۰۱ تا ۳۰۰	تین بکریاں

اسی طرح ہر سو پر ایک بکری بڑھتی جائے گی۔ (۲)

دیگر 'سائمہ' جانوروں پر زکوٰۃ کا مسئلہ

واضح رہے کہ احادیث میں جن جانوروں کی زکوٰۃ کا تذکرہ موجود ہے وہ صرف تین قسم کے ہیں یعنی اونٹ، گائے اور بکری۔ اس کے علاوہ دیگر جانوروں کے بارے میں شریعت خاموش ہے تاہم سواری کے گھوڑے کو خود نبی اکرم ﷺ نے زکوٰۃ سے معاف قرار دیا ہے۔ چونکہ نزولِ وحی کے دور میں اہل عرب کے ہاں یہی تین قسم کے جانور

---

(۱) [دیکھئے: ابوداؤد: کتاب الزکاۃ: باب زکاۃ السائمۃ۔۔۔(۱۵۶۹، ۱۵۷۳) حاکم (۳۹۸/۱) سنن بیہقی (۸۹/٤) مجمع الزوائد (۷۲/۳)]

(۲) [تفصیل کے ملاحظہ ہو: بخاری: کتاب الزکاۃ: باب زکاۃ الغنم (۱٤٥٤) نیز دیکھئے: فتح الباری لابن حجرؒ (۳۱۷/۳)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پالے جاتے تھے، اس لئے بطورِ خاص ان کا تذکرہ ہمیں ملتا ہے جبکہ ان کے علاوہ دیگر جانور مثلاً گدھے، خچر، پولٹری فارم کی مرغیوں اور مچھلی فارم کی مچھلیوں وغیرہ کے بارے میں کوئی صریح نص موجود نہیں۔ متقدمین میں سے ظواہر اور متاخرین میں سے امام شوکانیؒ اور نواب صدیق حسنؒ کے علاوہ جمہور فقہائے اُمت نے اوّل الذکر نوع سے تعلق رکھنے والے جانوروں پر قیاس کرتے ہوئے ثانی الذکر نوع کے حیوانات پر بھی دیگر شرائط کی موجودگی میں زکوٰۃ فرض قرار دی ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے اور عہدِ صحابہ ہی میں جو نیا مسئلہ سامنے آیا وہ گھوڑوں کی زکوٰۃ کا مسئلہ تھا۔ نزولِ وحی کے دور میں چونکہ گھوڑا اہل عرب کے ہاں ایک کمیاب جنس تھی اور اس کا استعمال بھی یا تو ذاتی سواری کے لئے ہوتا تھا یا پھر جنگ وحرب کے لئے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے گھوڑے کی زکوٰۃ معاف فرما دی تاکہ اگر وہ ذاتی استعمال کے لئے ہے تو پھر مالک (صاحبِ گھوڑا) کو مشقت نہ ہو اور اگر وہ جہاد کے لئے ہے تو اس کی مزید حوصلہ افزائی ہو۔ اس سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا:

"ليس على المسلم صدقة في عبده ولا في فرسه"(۱)

''مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے''

لہٰذا دورِ حاضر میں بھی جن صحرائی اور پہاڑی علاقوں میں جہاد یا ذاتی سواری کے لئے گھوڑا رکھا جاتا ہے، ان کے مالکان پر اس کی زکوٰۃ لاگو نہیں ہوگی۔ اِلا یہ کہ وہ اسے تجارت کے لئے استعمال کرنے لگیں (جیسا کہ آئندہ سطور میں آ رہا ہے)

جب ایران کی فتوحات شروع ہوئیں اور کثیر تعداد میں گھوڑے حاصل ہونے لگے تو رفتہ رفتہ لوگوں نے اسے تجارت کا ذریعہ بنالیا حتیٰ کہ بعض ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ ایک ایک گھوڑا سو سو اونٹوں کے بدلے فروخت کیا جانے لگا چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے

(۱) [بخاری: کتاب الزکاۃ: باب لیس علی المسلم فی عبدہ صدقۃ (۱٤٦٤)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ دیکھا تو انہوں نے ان تجارتی گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ مقرر فرما دی۔ جبکہ کسی صحابی نے اس پر اختلاف نہ کیا بلکہ آپ کے بعد حضرت عثمانؓ وغیرہ بھی تجارتی گھوڑوں پر زکوٰۃ وصول کرتے رہے۔ (۱)

گھوڑوں کی زکوٰۃ کے حوالہ سے یہ بات یاد رہے کہ اگر گھوڑے آلاتِ تجارت کے طور پر استعمال ہوں مثلاً ٹانگے' ریڑھے وغیرہ میں جوتے جائیں یا اُجرت پر بار برداری کے لئے استعمال ہوں تو ان گھوڑوں کی اصل مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہوگی بلکہ ان کی آمدن پر زکوٰۃ ہوگی اور اگر گھوڑے بذاتِ خود خرید و فروخت کے لئے رکھے ہوں تو ان کی کل مالیت پر زکوٰۃ ہوگی۔ (اس مسئلہ کی مزید تفصیل 'تجارتی اَموال پر زکوٰۃ' کے ضمن میں آئے گی) لیکن اگر یہ افزائش نسل کے لئے ہوں اور جہاد یا ذاتی سواری کے استعمال کی بھی نیت نہ ہو تو ایسی صورت میں بعض فقہا نے انہیں اونٹوں پر قیاس کرتے ہوئے اونٹوں ہی کی شرح زکوٰۃ ان میں واجب قرار دی ہے۔ (۲)

اور ایسی صورت میں ہمیں بھی اس رائے سے اتفاق ہے۔

اسی طرح دیگر جانوروں مثلاً پولٹری فارم کی مرغیوں، مچھلی فارم کی مچھلیوں اور ڈیری فارم کی بھینسوں کو بھی گھوڑوں پر قیاس کیا جائے گا یعنی اگر یہ جانور تجارت کے لئے ہیں تو ان کی کل مالیت پر سال گزرنے کے بعد چالیسواں حصہ بطورِ زکوٰۃ دیا جائے گا۔ جبکہ بھینسیں اگر افزائش نسل کے لئے ہوں اور ان میں دیگر شروطِ زکوٰۃ بھی پائی جائیں تو انہیں گائیوں پر قیاس کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اسی طرح اگر ہرن افزائش نسل کے لئے ہوں تو انہیں بکریوں پر قیاس کیا جائے گا اور اگر وہ تجارت کے لئے ہوں تو پھر انہیں مالِ تجارت پر قیاس کیا جائے گا۔

---

(۱) [تفصیل کے لئے دیکھئے: فقه الزکوٰة: از یوسف القرضاوی (ج۱ /ص ۳۰۵)]

(۲) [دیکھئے: رد المحتار: (ج۲/ ص۲۵، ۲۶)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) سونا چاندی اور نقدی پر زکوٰۃ

عرصہ دراز سے سونا چاندی جیسی قیمتی دھاتیں مختلف مقاصد کے لئے استعمال ہوتی چلی آ رہی ہیں مثلاً ان سے زیورات، آلات، برتن وغیرہ بھی بنائے جاتے رہے ہیں اور انہیں بطور نقدی (کرنسی) بھی استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ عہد نبوی میں بھی ان کے یہ مختلف استعمال موجود تھے۔ آپؐ نے سونے چاندی کے صرف دو مصرف جائز قرار دیتے ہوئے ان پر زکوٰۃ عائد فرمائی۔ ایک مصرف تو ان کا نقدی ہونا تھا اور دوسرا زیورات تھا۔ اگرچہ بعض شبہات کی بنا پر زیورات میں زکوٰۃ کے وجوب اور عدمِ وجوب کے بارے میں فقہا نے اختلاف بھی کیا ہے، تاہم نقدی ہونے کی حیثیت سے ان پر وجوبِ زکوٰۃ کے بارے میں اتفاقِ رائے موجود ہے اور اب چونکہ سونے، چاندی کی جگہ پیپر کرنسی نے لے لی ہے، اس لئے سونے چاندی پر قیاس کرتے ہوئے ان پر بھی زکوٰۃ فرض قرار دی جائے گی۔

باقی رہا سونا چاندی کا کسی اور محل میں استعمال مثلاً برتن اور آرائشی سامان، دیگر آلاتِ ضرورت وغیرہ تو ان سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ان ممنوعہ چیزوں کو اپنے پاس رکھتا یا ان کی تجارت وغیرہ کرتا ہے تو اس کے ایک حرام کام کے ارتکاب کے باوجود ان چیزوں کی زکوٰۃ اس سے مستثنیٰ نہیں ہوگی۔ البتہ سونے چاندی کے استعمال کی ممانعت کے باوجود ان میں سے درج ذیل چند چیزیں مستثنیٰ ہیں:

ایک تو وہ جو ضرورت اور حاجت کی قبیل سے ہیں مثلاً ایک صحابی کی ناک کٹ گئی تو انہوں نے چاندی کی ناک لگوائی جس میں بدبو پیدا ہوگئی تو آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق انہوں نے سونے کی ناک لگوالی۔ (۱)

(۱) [ابوداؤد: کتاب الخاتم: باب ماجاء فی ربط الاسنان بالذهب۔۔۔(۴۲۳۲)
ترمذی: کتاب اللباس: باب ماجاء فی شد الاسنان بالذهب(۱۷۷۰)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح بعض صحابہ سے سونے کے دانت لگوانا اور داڑھوں کی بھروائی (Filling) کروانا بھی منقول ہے۔[1]

اور دوسری استثنائی صورت آلاتِ حرب کی ہے کیونکہ احادیثِ نبویہؐ اور آثارِ صحابہؓ سے یہ بات ثابت ہے کہ تلوار کا خول، قبضہ، دستہ وغیرہ میں سونے اور چاندی کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ (المغنی: ایضاً)

زیورات پر زکوٰۃ

سونے چاندی کے زیورات پر زکوۃ کے حوالہ سے اہل علم میں شروع سے اختلاف چلا آرہا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ فقہا کی ایک بڑی تعداد نے زیورات کو زکاۃ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے دو طرح سے استشہاد کیا ہے ایک تو بعض روایات سے استشہاد کیا ہے اور دوسرا اسے ذاتی استعمال کی اشیاء پر قیاس کیا ہے۔ جب کہ ان کے برعکس بعض فقہا جن میں امام ابوحنیفہ بھی شامل ہیں، زیورات پر زکاۃ کو فرض قرار دیتے ہیں اور بعض احادیث بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

---

(۱) [المغنی لابن قدامہ (ج٤/ص٢٢٧) نیز دیکھئے: نصب الرایۃ (ج٢/ص٢٧٨) اعلاء السنن (ج١٧/ص٢٩٦ تا ٣٠٠)

علاوہ ازیں سلف صالحین سے بھی اپنے دانتوں کی حفاظت کے لئے سونے کی تار استعمال کرنا منقول ہے مثلاً:

١۔موسی بن طلحہؒ (دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ، ج٨ص٣١١۔طبقات ابن سعد ج٥ص١٦٣۔شرح معانی الآثار، ج٤ص٢٥٨۔شرح مشکل الآثار، ج٤ص٣٦)

٢۔ثابت البنانیؒ (دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ، ج٨ص٣١١)

٣۔مغیرہ بن عبد اللہ (دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ، ج٨ص٣١١۔مسند احمد ج٥ص٢٢٣۔شرح معانی الآثار، ج٤ص٢٥٩۔شرح مشکل الآثار، ج٤ص٣٦)

٤۔ابو حمزہ الضبعیؒ (دیکھئے: شرح معانی الآثار، ج٤ص٢٥٨۔شرح مشکل الآثار، ج٤ص٣٦)

٥۔ابو رافعؒ (دیکھئے: شرح مشکل الآثار، ج٤ص٣٦)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ بالا مسئلہ میں راقم کی تحقیق یہ ہے کہ زیورات پر عدم زکاۃ کے حوالہ سے جن روایات سے استشہاد کیا جاتا ہے ان میں سے کوئی بھی بسند صحیح ثابت نہیں جب کہ اس کے مقابلہ میں بعض ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن میں زیورات پر وجوب زکاۃ کی صاف تائید ہوتی ہے اور ان احادیث کی موجودگی میں زیورات کو ذاتی استعمال کی اشیاء پر قیاس کر کے زکاۃ سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس سلسلہ میں جو احادیث ملتی ہیں، ان میں سے ایک درج ذیل ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد اور اپنے دادا کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت اپنی بیٹی کو لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور اس کی بیٹی کے ہاتھوں میں سونے کے دو موٹے کنگن تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تم ان کی زکاۃ ادا کرتی ہو؟ اس نے جواب دیا: نہیں! تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں روز قیامت ان کنگنوں کے بدلے آگ کے کنگن پہنا دیں؟ تو اس نے وہ کنگن اتار کر آپ کی خدمت میں ڈال دیئے اور کہا کہ میں انہیں اللہ اور اس کے رسول کے لیے پیش کرتی ہوں۔"(۱)

واضح رہے کہ اس حدیث کی تائید کرنے والی کئی اور احادیث بھی موجود ہیں جنہیں شارح ترمذی مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے 'تحفة الاحوذی' میں نقل کرنے کے بعد اسی رائے کو ترجیح دی ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دی ہے جب کہ سعودی عرب کے جید علما کا بھی یہی فتوی ہے کہ زیورات پر زکاۃ دی جائے گی بشرطیکہ وہ نصاب کو پہنچ جائیں۔(۲)

مولانا عبدالرحمٰن مدنی صاحب کی رائے

ماہنامہ 'محدث' کے مدیر اعلیٰ جناب عبدالرحمٰن مدنی صاحب کی اس سلسلہ میں رائے

(۱) [مسند احمد(۲/۱۷۸، ۲۰۴) ابوداؤد: کتاب الزکاۃ: باب الکنز ماھو۔۔۔(۱۵۶۳) نسائی (۲۴۷۹) بیھقی(۴/۱۴۰)]

(۲) [دیکھئے: فتاوی ابن باز(ج ۱۴ ص ۹۷) فتاوی اللجنة الدائمة(ج ۹ ص ۲۶۵)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ہے کہ..... ''سونے چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ سے متعلقہ احادیث کی صحت میں کلام ہونے کی بنا پر اس کا مناسب حل یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں زکاۃ کی ادائیگی مال کے حق کے طور پر اگر نہ کی جائے تو کم از کم اشخاص کے حق کے طور پر ضرور کر دی جائے کیونکہ زکاۃ کے علاوہ بھی اشخاص کا حق، کتاب وسنت سے ثابت ہے جس میں عام لوگ اکثر کوتاہی کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے غریب رشتہ دار اور متعلقہ خدام ومساکین بھی معاشرے میں بے اعتنائی کا شکار رہتے ہیں۔ اگر زیورات کی زکوٰۃ نکال کر ایسے متعلقین پر اسے خرچ کر دیا جائے تو شرعی احتیاط پر عمل بھی ہو جائے گا اور کسمپرسی کے شکار مستحقین بھی مستفید ہوسکیں گے اور اس کا اجر بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم صدقہ کی صورت میں موجود ہے۔ ان شاء اللہ!.....''(۱)

سونے چاندی کا نصاب:

اگر پانچ اوقیہ (مساوی دوسو درہم) چاندی یا ۲۰ مثقال (تقریباً ۲۰ دینار) سونا سال بھر موجود رہے ہوں تو ان کا چالیسواں حصہ (یعنی چاندی کے پانچ درہم اور سونے کا آدھا دینار) بطورِ زکوٰۃ دیا جائے گا جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہے:

(i) حضرت جابرؓ سے روایت کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''لیس فیما دون خمس اواق من الورق صدقة''(۲)

''پانچ اوقیہ (مساوی دوسو درہم) سے کم (ورق/چاندی) پر زکوٰۃ فرض نہیں۔''

(ii) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

''جب تمہارے پاس دوسو درہم ہوں اور ان پر ایک سال کا عرصہ گزر جائے تو ان میں سے پانچ درہم بطورِ زکوٰۃ دو اور اسی طرح اگر تمہارے پاس بیس دینار سونا سال

(۱) [ماہنامہ 'محدث' دسمبر ۲۰۰۳ء جلد ۳۵، شمارہ ۱۲، ص ۱۳ حاشیہ بر مضمون 'اسلام کا نظام زکاۃ اور چند جدید مسائل' مضمون نگار 'مبشر حسین لاہوری']

(۲) [مسلم: کتاب الزکاۃ: لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة (۹۸۰) احمد (۲۹۶/۳)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھر رہا ہو تو اس میں نصف دینار زکوٰۃ ہے، اگر ایسا (یعنی یہ دونوں شرائط یا ان میں سے کوئی ایک شرط پوری) نہ ہو تو پھر زکوٰۃ فرض نہیں۔"(۱)

درہم و دینار کی مقداریں:

جس طرح مختلف اَدوار میں درہم و دینار کے اوزان میں فرق پیدا ہوتا رہا ہے، اسی طرح اِن سے حاصل مقداروں میں اہل علم کا اختلاف رہا ہے۔ درہم جو چاندی کا سکہ ہوا کرتا تھا اس کی مقدار ساڑھے باون تولہ چاندی کے حساب سے اور دینار جو سونے کا سکہ تھا، اس کی مقدار ساڑھے سات تولہ سونے کے حساب سے معروف ہے، لیکن بعض اہل علم نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے دونوں کا وزن اس سے کم نکالا ہے۔ جیسا کہ مولانا عبدالسلام بن محمد اپنی کتاب 'احکام زکوۃ وعشر' (ص ۲۳، ۲۴) میں رقمطراز ہیں کہ

"لیکن تحقیق کے مطابق بیس دینار سونے اور دو سو درہم چاندی کا وزن مندرجہ بالا مقداروں (یعنی ساڑھے سات تولہ سونے اور ساڑھے باون تولہ چاندی..... ناقل) سے کم بنتا ہے۔ چنانچہ شیخ ابوبکر الجزائری نے 'الجمل فی زکاۃ العمل' (ص ۲۷، ۲۸) میں اور دکتور عبداللہ بن محمد بن احمد العطار نے 'الزکاۃ' میں بیس دینار کو ستر گرام سونے کے برابر اور دو سو درہم کو ۴۶۰ گرام چاندی کے برابر قرار دیا ہے۔ ان حضرات نے ایک دینار کا وزن، ساڑھے تین گرام سونا اور ایک درہم کا وزن 2.3 گرام چاندی قرار دیا ہے۔ مفتی عبدالرحمٰن الرحمانی نے بھی اپنے رسالہ 'المیزان فی الاوزان' میں اسی کو درست قرار دیا ہے۔ یہ مقدار عام معروف مقدار ساڑھے باون تولہ چاندی اور ساڑھے سات تولے سونے سے کافی کم ہے مگر تحقیق پر مبنی ہے اور احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب سونا یا چاندی اس نصاب کو پہنچ جائیں تو زکاۃ ادا کی جائے۔"

---

(۱) [ابوداود: کتاب الزکاۃ: باب فی زکاۃ السائمۃ (۱۵۷۳)
واضح رہے کہ اس حدیث کی سند میں اگرچہ ضعف ہے تاہم یہی مسئلہ اجماع امت سے بھی ثابت ہے: دیکھئے: الاجماع لابن المنذر (ص ٤٤) موسوعۃ الاجماع (٤٨٣/١)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معروف اَوزان کے مقابلہ میں اس 'نئی تحقیق' پر ہمیں اختلاف ہے اس لیے کہ اس سلسلہ میں اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ایک درہم شرعی 7/10 دینار کے برابر ہوتا تھا اور درہم و دینار کا وزن معلوم کرنے کے لیے متقدمین کے ہاں جَو یا چاولوں کے دانے استعمال ہوتے تھے۔ اس لیے چند حنفی اور ظاہری فقہا کے علاوہ باقی تمام اہل علم کا اس بات پر بھی اتفاق رہا ہے کہ ایک دینار (مثقال) کا وزن جو کے ۷۲ دانوں کے برابر ہے اور دینار کی مناسبت سے درہم کا وزن 50.4 جو کے دانوں کے برابر ہے۔ (۱)

لیکن جب 72 یا 50.4 جو کے دانوں کو جدید پیمانوں پر تولا جاتا ہے تو دانوں کے چھوٹے بڑے ہونے کی وجہ سے وزن میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اگر بعض نے 72 دانے جو کو ساڑھے تین گرام کے برابر قرار دیا تو بعض نے 66 دانوں کو 4.25 گرام ثابت کر دکھایا۔ گویا جب تک جو کے دانوں کا اختلاف رہے گا تب تک مذکورہ اَوزان میں بھی اختلاف رہے گا۔ اس کا سب سے مناسب اور معقول طریقہ یہی ہے کہ جس درہم اور دینار کے وزن کو بالترتیب 72 اور 50.4 دانوں کے برابر قرار دیا گیا تھا اور امت کا اس پر اجماع ہو گیا، اس درہم اور دینار کو تلاش کر کے دانوں کے دیسی اور غیر معتبر طریقے کی بجائے اب جدید پیمانوں پر ان کا وزن نکال لیا جائے اور فی الواقع بعض محققین نے ایسا کیا بھی ہے۔ چنانچہ انہوں نے تحقیق کا حق ادا کرتے ہوئے لندن، برلن، پیرس وغیرہ کی لائبریوں سے وہ سکے ڈھونڈ نکالے اور جس دینار کے وزن (یعنی 72 جو کے دانے کے برابر ہونے) پر امت کا اجماع تھا، اسے جب سائنٹفک پیمانوں پر تولا گیا تو وہ 4.25 گرام ثابت ہوا اور اس مناسبت سے درہم 2.975 گرام کے برابر نکلا۔ اس حساب سے سونے کا وزن تقریباً 85 گرام اور چاندی کا 595 گرام بنتا ہے اور انہی اَوزان کو اگر 'تولوں' میں بدلا جائے تو یہ پاک و ہند کے معروف وزن یعنی چاندی ساڑھے باون تولہ اور سونا ساڑھے سات تولہ ہی کے قریب نکلتے

(۱) [مقدمہ ابن خلدون (ص ۱۸٤)طبع عربی]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔لہٰذا یہی معروف تحقیق صحیح ہے اور سائنٹفک اصول بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

البتہ اتنی بات یاد رہے کہ موجودہ دور میں سنیاروں کے معیاری اوزان کی مناسبت سے ساڑھے سات تولہ سونا تقریباً 87 گرام اور ساڑھے باون تولہ چاندی تقریبا 612 گرام بنتی ہے اور پاک وہند کی معروف مقداروں کے مقابلہ میں یہ کوئی بہت بڑا فرق نہیں ہے۔شائقین تحقیق اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لئے حوالہ میں درج کتب کی طرف بھی مراجعت فرما سکتے ہیں۔(۱)

زکوٰۃ کے لیے سونے چاندی کو اکٹھا کرنا

زکوٰۃ کے لیے سونے اور چاندی کو ملا کر زکوٰۃ کا نصاب بنانے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔جمہور فقہا (امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ وغیرہ) انہیں ملانے کے قائل ہیں جب کہ امام شافعیؒ اور داؤد ظاہریؒ وغیرہ انہیں یکجا کرنے کے قائل نہیں۔ابن رشدؒ کے بقول اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ گائے ،بکری کی طرح سونا،چاندی دو الگ الگ چیزیں (عین) نہیں بلکہ یہ راس المال اور کرنسی ہونے کی حیثیت سے ایک ہی ذات کا حکم رکھتے ہیں۔اور جنہوں نے انہیں دو الگ الگ ذاتیں قرار دیا ہے ،وہ انہیں اکٹھا کرنے کے قائل نہیں اور جنہوں نے انہیں ایک ہی ذات کے حکم میں شمار کیا ہے، وہ انہیں کرنسی ہونے کی حیثیت سے اکٹھا کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

---

(۱) [دیکھئے:فقه الزكاة از يوسف قرضاوی (ج۱ص ۳۵۱ تا۳۶۲) الميزان فی الاوزان از مفتی عبد الرحمن رحمانی،فتاوی اللجنة الدائمة (ج ۹ ص ۲۵۲ تا ۲۵۷) مجموعة فتاوی ابن باز (ج ۱٤ ص ۸۲،۸۳) فتاوی علمائے اہلحدیث(ج۷ص۸٦تا ۹۱) الزكاة واحكامها از سلمان الغاوجی، احکام ومسائل از حافظ عبد المنان نور پوری (ج۱ ص ۲۸۰تا ۲۸٤)الموسوعة الفقهية بذيل مادّه'دينار' و'درهم' ، الفقه على المذاهب الاربعة (ج۱ /ص ٦۰۱)الخراج والنظم المالية از دكتور محمد ضياء الريس(ص ۳۵۲) ....وغیرہ]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہر حال اس مسئلہ میں کوئی صریح دلیل نہیں ملتی کہ انہیں ملا کر ہی نصاب بنایا جائے اور عہد صحابہ میں بھی ان کے مستعمل ہونے کے باوجود کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ کسی نے ان دونوں کو ملا کر زکاۃ نکالی ہو۔ اس لیے احتیاط کا تقاضا تو یہی ہے کہ انہیں آپس میں ضم کر کے نصاب نہ بنایا جائے۔ واللہ اعلم!

اگر چاندی کے ساتھ روپے (کرنسی) یا سامان تجارت وغیرہ بھی ہو تو پھر بھی یہ اختلاف تو موجود ہے کہ ان تینوں چیزوں کو اکٹھا کیا جائے یا نہیں، البتہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سامان تجارت کی قیمت اور دیگر نقدی (کرنسی) کو سونے یا چاندی میں سے کسی ایک کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ دی جائے بشرطیکہ نقدی ملانے سے مجموعی رقم حد نصاب کو پہنچ جائے۔ (۱)

موجودہ کرنسی اور نصابِ زکوٰۃ

اب ایک عرصہ سے سونے، چاندی کے سکوں کی جگہ پیپر کرنسی نے لے رکھی ہے، اس لئے اب اسی نقدی پر زکوٰۃ ہوگی اور اس میں کوئی مؤثر اختلاف نہیں تاہم اس بات پر اختلاف ضرور ہے کہ موجودہ کرنسی کا نصاب سونے کے نصاب سے متعین کیا جائے یا چاندی کے نصاب سے؟ بعض فقہا کا خیال ہے کہ نصابِ زکوٰۃ کا تعین سونے سے کیا جائے گا اور اس کی وہ مختلف وجوہات بیان کرتے ہیں جیسا کہ یوسف قرضاوی رقم طراز ہیں:

''.....جبکہ بعض دیگر علما کی رائے یہ ہے کہ آج کل نصابِ زکوٰۃ کا اندازہ سونے سے ہونا چاہئے اس لئے کہ چاندی کی قیمت میں عہد نبوت کے بعد سے بہت زیادہ فرق آچکا ہے۔ کیونکہ تمام اشیا کی طرح چاندی کی بھی قیمت بڑھتی رہی ہے جب کہ سونے کی قیمت کافی حد تک مستحکم رہی ہے اور زمانے کے اختلاف سے سونے کے سکوں کی قیمت میں

(۱) [اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: بدایۃ المجتہد لابن رشدؒ (۳/ ۸۵ تا ۸۷) المغنی (۴/ ۲۰۹ تا ۲۱۱) حاشیہ ابن عابدین (۲/ ۳۴) حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر (۱/ ۴۵۵)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرق نہیں آیا اور سونا ہر زمانے میں ایک ہی اندازے کا حامل رہا ہے۔ یہ رائے ہمارے اساتذہ ابوزہرہ (عبدالوہاب) خلاف اور (عبدالرحمٰن) حسن نے زکوٰۃ پر اپنی تحقیق کے دوران اختیار کی ہے۔ مجھے بھی یہ قول بلحاظ دلیل زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے اس لئے اگر مذکورہ اموالِ زکوٰۃ کا موازنہ کرکے دیکھا جائے کہ پانچ اونٹوں پر زکوٰۃ ہے، چالیس بکریوں پر زکوٰۃ ہے، پانچ وسق کھجور یا کشمش پر زکوٰۃ ہے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس عہد میں زکوٰۃ کے تمام نصابوں سے قریب سونا ہے، چاندی نہیں ہے۔ پانچ اونٹوں اور چالیس بکریوں کی قیمت تقریباً (کم وبیش) چارسو دینار یا گنی (جُنیۃ رمصری کرنسی) کے مساوی ہوگی تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شارع کی نظر میں چار اونٹوں یا اُنتالیس بکریوں کا مالک تو فقیر ہو اور اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو لیکن جس کے پاس اتنی نقدی (یعنی چاندی کے حساب سے۔ ناقل) ہو جس سے وہ ایک بکری بھی نہ خرید سکتا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو؟ اور کس طرح اس حقیر مالیت کو غنی تصور کیا جاسکتا ہے؟ شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

پانچ اوقیہ چاندی کو نصابِ زکوٰۃ اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ یہ مقدار ایک گھرانے کی سال بھر کی ضرورت کے لئے کافی ہے بشرطیکہ اکثر علاقوں میں قیمتیں معتدل ہوں اور اگر آپ قیمتوں میں معتدل علاقوں کا جائزہ لیں تو آپ کو اس حقیقت کا ادراک ہوجائے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اب بھی کسی اسلامی ملک میں پچاس یا (اس سے) کم وبیش مصری (کرنسی ..... ناقل) اور سعودی ریال یا پاکستانی اور ہندوستانی روپے☆ میں ایک گھرانے کا پورے سال کا گزر ہوسکتا ہے؟ بلکہ کیا ایک ماہ یا ایک ہفتہ کا بھی ہوسکتا ہے؟!

بلکہ تیل پیدا کرنے والے ملکوں میں جہاں کا معیارِ زندگی کافی بلند ہوچکا ہے، یہ رقم ایک متوسط گھرانے کی ایک دن کی ضرورت کے لئے بھی ناکافی ہے، تو اس رقم کا مالک شریعت

☆ [اور یاد رہے کہ موصوف کی یہ بات ۲۵، ۳۰ سال پہلے کی ہے۔ اس وقت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت ۵۰ ریال کے مساوی ہوگی جو اب تقریباً ۷۵۰ روپے بنتے ہیں جب کہ اب ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کم وبیش ۵ ہزار روپے ہے۔ (مصنف)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی نظر میں کیوں کر غنی متصور ہوسکتا ہے؟ یہ بہت ہی بعید از قیاس بات ہے! اس لئے مناسب یہی ہے کہ ہم اپنے اس عہد میں نصابِ زکوٰۃ کی پیمائش کے لئے سونے کو اصل قرار دیں۔ اگرچہ چاندی سے نصابِ زکوٰۃ کے تقرر میں فقرا اور مستحقین کا مفاد ہے مگر اس میں مال کے مالکین پر بار بھی پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کے دہندگان صرف بڑے بڑے سرمایہ دار اور اغنیا ہی نہیں ہوتے بلکہ اُمتِ مسلمہ کے عام افراد زکوٰۃ دہندگان ہیں''۔ (۱)

جبکہ دوسری طرف بعض بلکہ اکثر و بیشتر اہل علم کا موقف یہ ہے کہ نصابِ زکوٰۃ کا تعین چاندی کے حساب سے کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ رقم طراز ہیں کہ

''دورِ نبویؐ میں سونا چاندی دونوں زرِ مبادلہ کے طور پر استعمال ہوتے تھے اور ان کی قیمتوں میں صرف ایک اور سات کی نسبت تھی۔ یعنی ساڑھے سات تولے سونا، ساڑھے باون تولے چاندی۔ دوسرے لفظوں میں سونے کا بھاؤ چاندی سے صرف سات گنا ہوتا تھا۔ بعد کے اَدوار میں سونے کی قیمت تو چڑھتی گئی اور چاندی کی قیمت گرتی گئی اور اس کی غالباً دو وجوہ ہیں: اوّلاً تو چاندی کی بجائے صرف سونا ہی زرِ مبادلہ قرار پایا اور، ثانیاً چاندی کے زیورات آہستہ آہستہ متروک ہوگئے۔ ۱۹۳۰ء کی جنگِ عظیم سے پہلے چاندی اور سونے کی مالیت میں تقریباً ایک اور بیس کی نسبت ہوچکی تھی اور اب تو یہ نسبت اور بھی بہت زیادہ بڑھ چکی ہے اور آئندہ بھی یہ تفاوت بڑھنے کا امکان ہے۔ سونے اور چاندی کا حد نصاب جو شارع علیہ السلام نے مقرر فرما دیا اس میں ردّ و بدل کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں خواہ یہ باہمی تفاوت اور بھی زیادہ ہو جائے۔ مگر نقدی کے متعلق ہمیں ضرور کچھ فیصلہ کرنا ہوگا کہ نقدی کا حد نصاب طے کرنے کے لئے چاندی کو بنیاد قرار دیا جائے یا سونے کو؟ اکثر علما کا خیال ہے کہ ہمارے ہاں نوٹوں کے اجرا سے پہلے چونکہ چاندی کا روپیہ رائج تھا لہٰذا چاندی کو بنیاد قرار دے کر چاندی کی موجودہ قیمت کے حساب سے ساڑھے

(۱) [فقه الزكوٰة (ج۱/ ص۳۵۲ تا ۳۵٤)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باون تولے چاندی کی قیمت نکال لی جائے، یہ حد نصاب ہوگا اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سعودی عرب میں آج کل بھی کاغذی زر (نوٹوں) کو ورقہ کہتے ہیں اور یہی لفظ چاندی کے لئے استعمال ہوتا ہے، نیز چاندی کو ہی نقد روپیہ کے لئے نصاب قرار دینا اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ کہیں اللہ کا حق ہمارے ذمہ نہ رہ جائے لہٰذا اس اہم دینی فریضہ میں ہر ممکن احتیاط لازم ہے۔"(۱)

راجح اور قابل احتیاط موقف!

مذکورہ بالا دونوں نقطہ ہائے نظر میں سے ثانی الذکر مؤقف بعض پہلوؤں سے ہمیں راجح معلوم ہوتا ہے، اور اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

① اوّل تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ چاندی کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے، تاکہ کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔

② فقراء ومساکین کا فائدہ بھی اسی میں ہے۔

③ سونے اور چاندی کی نسبت میں جو بہت زیادہ تفاوت پیدا ہو چکا تھا وہ بھی رفتہ رفتہ کافی حد تک کم ہو چکا ہے اور اب ان دونوں کی نسبت ایک اور تیس کی بجائے ایک اور بارہ کے قریب ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص سونے کو معیار نصاب بناتا ہے تو اس کے اس اجتہاد پر کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی۔ کیونکہ اس کے پیچھے بھی بڑے مضبوط دلائل ہیں۔ واللہ اعلم!

ہیرے جواہرات وغیرہ پر زکوٰۃ کا مسئلہ:

ہیرے جواہرات وغیرہ اگر تجارت کے لئے رکھے ہوں تو پھر بلا اختلاف اموال تجارت کی طرح ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی لیکن اگر یہ ذاتی استعمال (مثلاً زیب وزینت کے لئے) یا کاروباری استعمال مثلاً آلات کے لئے ہوں تو پھر بلا نزاع ان پر کوئی زکوٰۃ

(۱) [تجارت اور لین دین کے مسائل، از مولانا عبد الرحمن کیلانیؒ (ص ۳۱۸، ۳۱۹)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں، خواہ یہ کتنے ہی قیمتی کیوں نہ ہوں۔ جیسا کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ

"لا زكوة فيما سوى الذهب والفضة من الجواهر كالياقوت والفيروزج، واللؤلؤ والمرجان والزمرد والزبرجد والحديد والصفر وسائر النحاس والزجاج وان حسنت صنعها وكثرت قيمتها ولازكوة أيضاً في المسك والعنبر وبه قال جماهير العلماء من السلف وغيرهم" (۱)

اسی طرح ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ

"فالزكوة في الحلي من الذهب والفضة دون الجوهر لأنها لا زكوة فيها عند أحد من أهل العلم فإن كان الحلي للتجارة قومه بما فيه من الجواهر لأن الجواهر لو كانت مفردة وهي للتجارة لقومت وزكيت" (۲)

مذکورہ بالا اقتباسات کا حاصل یہ ہے کہ ہر طرح کے قیمتی موتی اور جملہ عطریات زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں بشرطیکہ یہ تجارت کے لئے نہ ہوں اور جمہور ائمہ سلف کا شروع سے یہی موقف رہا ہے۔ باقی رہا جواہرات کو سونے، چاندی کے زیورات پر قیاس کرنے کا مسئلہ تو یہ قیاس درست نہیں، اس لئے کہ زیورات میں استعمال ہونے والا سونا چاندی نقدی اور نمو کی حیثیت بھی رکھتا ہے جبکہ ہیرے، جواہرات میں یہ خاصیت نہیں پائی جاتی۔ اسی لئے متقدمین میں سے جو اہل علم زیورات پر زکوٰۃ کے قائل رہے ہیں، ان میں سے کسی نے بھی انہیں زیورات پر قیاس نہیں کیا۔ تقریباً یہی رائے ابن حجر کی بھی ہے، (۳) اور فقہائے احناف کا بھی یہی موقف ہے۔ (٤)

---

(۱) [المجموع شرح المذهب(ج٥ص٤٦٤)]

(۲) [المغنی (ج٤/ص٢٢٤) نیز دیکھئے: الفقه على المذاهب الاربعة (ج ۱/ ص ٥٩٥) موسوعة الاجماع (٤٦٧/١)]

(۳) [دیکھئے :فتح الباری(٣٦٣/٣)]

(٤) [دیکھئے :درّمختار(٢ /٢٧٣) اور فتاویٰ ہندیہ (١٠٢/١)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۳) زرعی پیداوار پر زکوٰۃ (عشر)

زرعی پیداوار پر زکوٰۃ کو اصطلاحی طور پر 'عشر' کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ زرعی پیداوار میں ہر فصل تیار ہونے کے بعد اس کا عشر (یعنی دسواں حصہ) بطور زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے بشرطیکہ مجموعی پیداوار پانچ وسق یا اس سے زیادہ ہو اور زمین کی سیرابی کے لئے مشقت کر کے پانی حاصل نہ کیا گیا ہو یعنی ٹیوب ویل لگانے یا کنویں کھودنے کی بجائے بارش یا نہروں کے ذریعے بغیر مشقت کے پانی حاصل ہو جائے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر از راہِ تخفیف بیسواں حصہ (یعنی نصف العشر) بطور زکوٰۃ نکالا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

'فیما سقت السماء والعیون أو کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر'(۱)

''جو زمین بارش یا چشموں سے سیراب ہوتی ہے یا پھر وہ بارانی ہو، اس میں عشر ہے اور جو زمین رہٹ وغیرہ کے پانی سے سیراب کی جاتی ہو تو اس میں نصف العشر ہے۔''

زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار اگر پانچ وسق سے کم ہو تو پھر اس میں کسی قسم کی زکوٰۃ (عشر) فرض نہیں جیسا کہ حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''لیس فیما أقل من خمسة أوسق صدقة''(۲)

''پانچ وسق سے کم پر زکوٰۃ فرض نہیں۔''

اور واضح رہے کہ پانچ وسق کا مجموعی وزن تقریباً ۲۰ من یا دوسرے لفظوں میں ۷۲۵ کلوگرام بنتا ہے جبکہ بعض علما نے ۱۵ من بعض نے ۱۸ من اور بعض نے ۲۵ من کا اندازہ بھی نکالا ہے۔ **واللہ اعلم!**

---

(۱) [بخاری: کتاب الزکاۃ: باب العشر فیمایسقیٰ من ماء السماء۔۔۔۔(۱٤۸۳)]

(۲) [بخاری: کتاب الزکاۃ: باب لیس فیما أقل من خمسة أوسق صدقة(۱٤۸٤)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کون کون سی اجناس پر عشر ہوگا؟

اس سلسلہ میں چار اجناس تو وہ ہیں جن پر وجوبِ عشر کے حوالے سے اجماع ہو چکا ہے اور وہ یہ ہیں: ۱۔گندم ۲۔جو ۳۔کھجور ۴۔کشمش (۱)

جبکہ اس کے علاوہ دیگر اجناس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور بعض تابعین اور امام احمد، موسیٰ بن طلحہ، حسن، ابن سیرین، شعبی، حسن بن صالح، ابن ابی لیلیٰ، ابن المبارک اور ابوعبید رحمہم اللہ کا یہی موقف ہے کہ صرف ان چار چیزوں پر زکوٰۃ ہے۔ (۲)

اور یہ اصحاب اپنی تائید میں وہ روایات پیش کرتے ہیں جن میں صرف انہی چار اجناس کی زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ مگر ان کی اسناد ضعف سے خالی نہیں۔ (۳)

جبکہ دیگر اہل علم ان تمام روایات کو ضعیف قرار دیتے ہوئے دیگر زرعی اجناس پر بھی وجوبِ عشر کے قائل ہیں اور اپنی تائید میں قرآن و حدیث کے عمومی دلائل پیش کرتے ہیں مثلاً

(i) ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ (الانعام:۱۴۱)

''کٹائی کے دن ان (زرعی اجناس) کا حق ادا کرو۔''

(ii) ﴿وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ (البقرۃ:۲۶۷)

''اور ان چیزوں میں سے (زکوٰۃ نکالو) جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں''

اس کے علاوہ اس گروہ کے پاس اور بھی کئی عمومی دلائل موجود ہیں، تاہم آگے چل کر ان میں بھی اختلافِ رائے موجود ہے۔ مثلاً

''امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر اس اراضی پیداوار پر جس سے افزائشِ زمین مقصود ہو اور جس

(۱) [دیکھئے: الاجماع لابن منذر: ص ٤٣، موسوعة الاجماع (٤٦٦/١)]

(۲) [المحلّٰی، لابن حزمؒ (ج ٥/ ص ٢٠٩)]

(۳) [تفصیل کے لئے دیکھئے: فقه الزکوٰة: (ج ١/ ص ٤٦٤، ٤٦٥)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے لوگ بالعموم فائدہ حاصل کرتے ہوں، زکوٰۃ فرض ہے۔ جب کہ ان کے نزدیک لکڑی، گھاس پھونس، اور ایرانی بانس مستثنیٰ ہے۔ اس لئے کہ ان اشیا کی لوگ بالعموم پیداوار نہیں کرتے بلکہ اس سے زمین کو صاف کردیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص (حصولِ منفعت کے لئے) لکڑی والے درخت یا بانس یا گھاس ہی زمین میں اُگالے تو اس پر عشر عائد ہوجائے گا.....

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی رائے ان اشیا کے بارے میں جن کا پھل باقی نہ رہے (جیسے سبزیاں اور ترکاریاں اور کھیرے ککڑی وغیرہ) امام ابوحنیفہؒ کی رائے سے مختلف ہے اور ان اشیا میں (بھی) ان کے نزدیک زکوٰۃ ہے۔"(۱)

داود ظاہری وغیرہ کا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ "ہر اراضی پیداوار پر زکوٰۃ ہے اور اس میں کوئی استثنیٰ نہیں اور یہی ابراہیم نخعی کا بھی ایک قول ہے اور یہی حضرت عمر بن عبدالعزیز، مجاہد، حماد بن ابی سلمان رحمہم اللہ سے مروی ہے۔" (ایضاً)

امام احمد بن حنبلؒ سے اس سلسلہ میں کئی طرح کے اقوال مروی ہیں تاہم ابن قدامہؒ نے المغنی میں ان کا جو مشہور قول بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ

"وكل ما أخرج الله عزوجل من الأرض مما ....." (۲)

یعنی ان تمام اشیا پر زکوٰۃ (عشر) ہے جن میں یہ تین وصف ہوں:

۱۔ خشک ہونے کی خاصیت ہو:

۲۔ محفوظ کی جاسکتی ہوں:

۳۔ اور تولی جاسکتی ہوں۔"

شوافع کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ہر وہ زرعی جنس جو غذا اور ذخیرہ بن سکتی ہے اس پر عشر ہوگا اور جن میں یہ شرائط نہ ہوں، ان پر عشر نہیں۔ مثلاً بادام، اخروٹ، پستہ، سیب، انار، امرود وغیرہ پر ان کے نزدیک عشر نہیں۔ (۳)

---

(۱) [فقه الزكوٰة (ج۱/ ص ۴۷۰ تا ۴۷۱)] (۲) [المغنی (ج۴/ ص ۱۵۵)]

(۳) [دیکھئے: شرح المنهاج (ج۲/ ص ۱۶)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مالکیوں کی بھی یہی رائے ہے تاہم انہوں نے صرف ۲۰ متعین چیزوں پر عشر واجب قرار دیا ہے۔ (۱)

راجح اور اقرب الی السنۃ موقف

مذکورہ بالا اختلاف میں داود ظاہریؒ کا نقطہ نظر ہمیں اَقرب الی السنۃ معلوم ہوتا ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ متاخر علمائے اہلحدیث کی بڑی تعداد بھی اسی کی قائل ہے اور یوسف قرضاوی نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ باقی رہی ترمذی کی وہ حدیث جس میں ہے کہ 'سبزیوں میں زکاۃ نہیں' تو اسے خود امام ترمذی نے بھی ضعیف قرار دیا ہے۔

(۴) اَموالِ تجارت پر زکوٰۃ

ابن منذرؒ فرماتے ہیں کہ

"وأجمعوا على أن في العروض التي تدار للتجارة الزكوة إذا حال عليها الحول" (۲)

''اہل علم کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ جو مال تجارت کے لئے (یعنی رأس المال) ہو اس پر زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ اس پر ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہو۔''

یاد رہے کہ مذکورہ بالا اجماع جن نصوص کی بنیاد پر ہوا ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

(i) ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ﴾ (البقرۃ:۲۶۷)

''اے ایمان والو! جو پاکیزہ مال تم نے کمائے ہیں، ان سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔''

(ii) حضرت سمرہؓ سے مروی ہے کہ

"كان النبيؐ يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع" (۳)

(۱) [دیکھئے :الشرح الکبیر مع حاشیہ الدسوقی (ج۱ ص۴۴۷)]

(۲) [الاجماع (ص۴۵)]

(۳) [ابوداؤد: کتاب الزکاۃ:باب العروض اذا کانت للتجارۃ۔۔۔(۱۵۶۲)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''نبی اکرم ﷺ ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہم ان تمام چیزوں سے زکوٰۃ ادا کریں جو بغرضِ تجارت ہمارے پاس موجود ہوں۔''

(iii) حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''اونٹوں پر زکوٰۃ ہے، بکریوں پر زکوٰۃ ہے، گائیوں پر زکوٰۃ ہے اور تجارت کے کپڑے پر زکوٰۃ ہے۔''(۱)

اگرچہ مذکورہ بالا روایتوں کی سندوں پر بعض محدثین نے تنقید کی ہے تاہم اجماعِ اُمت اور عمل صحابہؓ سے اسی کی تائید ہوتی ہے کہ سامانِ تجارت پر زکوٰۃ نکالی جائے گی(۲)

آلاتِ تجارت پر زکوٰۃ نہیں ہے!

سامانِ تجارت اور آلاتِ تجارت میں واضح فرق ہے جو چیزیں تجارت کیلئے (For Sale) ہوں، ان پر ہر سال چالیسواں حصہ بطورِ زکوٰۃ نکالا جائے گا۔ اہل ظواہر، امام شوکانی، اور نواب صدیق حسن خاں کو چھوڑ کر باقی اُمت کا اس پر اتفاق رہا ہے اور اسی طرح اُمت کا اس بات پر بھی اجماع رہا ہے کہ آلاتِ تجارت خواہ وہ کتنے ہی قیمتی کیوں نہ ہوں، ان پر زکوٰۃ نہیں تاہم ان سے حاصل ہونے والی آمدنی پر اگر ایک سال کا عرصہ گزر جائے اور وہ نصاب کے برابر ہو تو پھر اس کی زکوٰۃ دی جائے گی۔(۳)

اس سلسلہ میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں:

(i) حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**لیس علی العوامل شیٔ**''

''پیداوار کا ذریعہ بننے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔''(٤)

---

(۱) [المحلی: (ج٥/ص٢٢٤)]

(۲) [دیکھئے: کتاب الاموال لأبی عبید(ص٤٢٥) السنن الکبری للبیهقی (١٤٧/٤) فقه الزکاة:ایضاً، الاجماع (ص ٤٥)]

(۳) [دیکھئے: الفقه علی المذاهب الاربعة (ج١ ص ٥٩٥)]

(٤) [ابوداود: کتاب الزکاة: باب فی زکاة السائمة (١٥٧٢)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ii) حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "لیس فی الإبل العوامل صدقة"

"کام کرنے والے اونٹوں پر زکوٰۃ نہیں ہے"(۱)

(iii) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ سے مروی ایک روایت میں اونٹوں کے ساتھ بیل، گائیوں کا بھی اس طرح ذکر ہے کہ

"اور بیل گائیاں کام کرنیوالی ہوں تو ان میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔" (ایضاً)

(iv) اسی طرح حضرت علیؓ، حضرت جابرؓ اور بعض دیگر صحابہ اور تابعین و تبع تابعین سے مروی ہے کہ "ہل چلانے والے جانور (بیل، گائے وغیرہ) پر زکوٰۃ نہیں۔" (ایضاً)

(v) مذکورہ بالا احادیث و آثار کی بنیاد پر جمہور فقہاء و محدثین کا متفقہ طور پر یہ موقف رہا ہے کہ پیداوار کا ذریعہ بننے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں اور اگر کسی نے شذوذ و تفرد کی راہ اختیار کرتے ہوئے پیداوار کا ذریعہ بننے والے جانوروں پر بھی زکوٰۃ عائد کرنے کی کوشش کی تو دیگر فقہا و محدثین نے اس کی تردید کی۔ مثلاً امام خطابی ابوداؤد کی روایت (نمبر ا) ذکر کرنے کے بعد رقم طراز ہیں کہ

"وقوله لیس فی العوامل شیئ بیان فساد قول من أوجب فیها الصدقة وقد ذکرنا فیما مضی"(۲)

"حدیث نبوی کے یہ الفاظ کہ 'پیداوار کا ذریعہ بننے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے' ہر اس شخص کے موقف کی خوب تردید کرتے ہیں جو ان جانوروں پر بھی زکوٰۃ فرض قرار دیتا ہے۔ اور یہ موقف کن کا ہے، اس کی وضاحت ہم پیچھے کر آئے ہیں۔"

واضح رہے کہ احادیث میں آلاتِ پیداوار کی جگہ اونٹوں اور گائیوں کا ذکر آیا ہے اس لئے کہ اس دور میں یہی جانور آلاتِ پیداوار کی حیثیت رکھتے تھے، تاہم دورِ حاضر

---

(۱) [السنن الکبریٰ للبیهقیؒ (٤/ ١١٦)]

(۲) [معالم السنن: کتاب الزکاة: (ج۲/ ص ۳۰)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ان کی جگہ تمام جدید آلات بھی ذرائع پیداوار کی حیثیت رکھنے کی وجہ سے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے جیسا کہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ "لیس فی الإبل العوامل صدقة" کے ضمن میں رقم طراز ہیں کہ

''اس ارشاد میں اگرچہ اونٹ کا نام آیا ہے تاہم یہ ایک عام اصول ہے مثلاً دکان کا باردانہ یا فرنیچر زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے، اسی طرح فیکٹریوں میں نصب شدہ مشینیں جو پیداوار کا ذریعہ بنتی ہیں خود بکاؤ مال نہیں ہوتیں، وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گی۔''(۱)

اسی طرح ہر وہ چیز آلاتِ تجارت اور ذرائع پیداوار متصور ہوگی جو کرائے کے لئے دی جاتی ہو۔ مثلاً کرائے کا مکان، دکان، فرنیچر، گاڑیاں، بسیں اور دیگر سامان وغیرہ۔ یہ چیزیں بھی چونکہ کمائی کا ذریعہ (آلاتِ تجارت/ذرائع پیداوار) ہیں، اس لئے ان سے حاصل ہونے والی آمدنی اگر نصاب کے بقدر ہو اور اس پر ایک سال کا عرصہ بھی گذر چکا ہو تو پھر اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی، ورنہ نہیں۔(۲)

خواہ بذاتِ خود یہ چیزیں کتنی ہی قیمتی اور مہنگی کیوں نہ ہوں۔ جمہور فقہاءِ اُمت کا گذشتہ چودہ صدیوں سے یہی موقف رہا ہے مگر ماضی قریب میں علامہ یوسف قرضاوی اور ان کے تین استادوں (ابوزہرہ، عبدالرحمٰن حسن اور عبدالوہاب خلاف) نے اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہوئے ایک نئی رائے پیش کی اور وہ یہ ہے کہ

''(صرف ایسے آلاتِ تجارت، زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوسکتے ہیں)..... جو آلات آج بھی دست کار کے ذاتی استعمال کے ہوں اور وہ ان کو خود استعمال کرتا ہو مثلاً حجام کے آلاتِ حجامت وغیرہ اور وہ آلاتِ صنعت جو حصولِ منفعت میں رأس المال کی حیثیت رکھتے ہیں اور مالک کو نفع پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہوں جیسے کارخانے کا مالک جو اس کارخانے کو چلانے کے لئے مزدوروں کو اُجرت پر لگاتا ہو تو اس کے یہ صنعتی آلات (مشینیں) اس کا

(۱) [تجارت اور لین دین کے مسائل: (ص۲۹۳)]

(۲) [دیکھئے: المغنی: (ج۳ ص۴۷)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رأس المال اور مالِ نامی متصور ہوں گے کیونکہ اسے ان مشینوں سے جو منفعت حاصل ہورہی ہے، اس کے لحاظ سے یہ مشینیں آہن گر یا بڑھئی کے ان اوزاروں کے مشابہ نہ ہوں گی جن سے وہ ہاتھ سے کام لیتا ہے۔ اس لئے ان آلاتِ صنعت اور مشینوں کے مالِ نامی ہونے کے باعث ان پر زکوٰۃ عائد ہوگی اور ان کا شمار ذاتی استعمال کی اشیا میں نہیں ہوگا۔''(۱)

مذکورہ اقتباس میں موصوف نے دو باتیں ذکر کی ہیں: ایک تو یہ کہ جدید صنعتی آلات مالِ نامی ہیں اور مالِ نامی پر زکوٰۃ فرض ہے۔ حالانکہ ہر مالِ نامی موجب زکوٰۃ نہیں ہوتا اور خود موصوف نے بھی اس پر بحث کی ہے کہ ''ہر مالِ نامی محل زکوٰۃ نہیں۔'' اس کی مزید تفصیل پچھلے صفحات میں 'ذاتی استعمال کی اشیا پر زکوٰۃ' کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

موصوف نے دوسرا نکتہ یہ اٹھایا ہے کہ قدیم دور کے آلاتِ صنعت کو جدید آلاتِ صنعت کا محل قیاس نہیں بنایا جاسکتا اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ قدیم آلاتِ صنعت براہِ راست استعمال ہوتے تھے جبکہ جدید آلاتِ صنعت اکثر و بیشتر بالواسطہ استعمال ہوتے ہیں، اس لئے ان میں مماثلت نہیں۔ حالانکہ یہ اعتراض سرے سے غلط ہے اس لئے کہ اوّل تو قدیم آلاتِ تجارت دونوں طرح ہی استعمال ہوتے تھے۔ بالواسطہ میں تو انہیں بھی شک نہیں جبکہ غلاموں کے ذریعے اور کرائے اور ٹھیکے کے ذریعے ہونے والے سبھی کام بالواسطہ ہی کی مثالیں ہیں۔ اور دورِ حاضر میں کرائے پر استعمال ہونے والے تجارتی کمپلیکس، بسیں، گاڑیاں اور جہاز وغیرہ کو قدیم دور میں کرائے پر چڑھنے والے مکانوں، باغوں وغیرہ پر قیاس کرنا بالکل صحیح ہے۔ اسی طرح وہ جدید آلاتِ صنعت جنہیں بالواسطہ استعمال کیا جاتا ہے، انہیں قدیم دور کے ان آلات پر قیاس کرنا صحیح ہے جن کے ذریعے مالکوں کے غلام کام کیا کرتے تھے۔

(۱) [فقه الزكوٰة: (ج۲/ ص ۶۱۰، ۶۱۱)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری بات یہ ہے کہ شریعت نے جب عوامل (یعنی ذرائع پیداوار اور آلاتِ تجارت) کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے بالواسطہ اور بلاواسطہ کی کوئی تفریق نہیں کی تو پھر ہمیں اس تفریق کی آخر کیا ضرورت؟ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ یوسف قرضاوی نے ہمارے موقف کے حامل متقدم فقہا کے دلائل ذکر کرتے ہوئے ان صریح احادیث کو پیش نہیں کیا جن میں ذرائع پیداوار کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ کچھ یہی صرفِ نظر پروفیسر احمد اقبال قاسمی صاحب نے اپنے مضمون 'زکوٰۃ کا نفاذ، چند قابل غور پہلو' (شائع شدہ ترجمان القرآن، اگست ۲۰۰۳ء) میں کیا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ انہوں نے سامانِ تجارت اور آلاتِ تجارت کو ایک ہی زاویہ سے پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور آخر میں یہ الفاظ رقم کر دیے ہیں کہ

''احقر بھی حضرت مولانا محمد طاسین مرحوم اور ڈاکٹر یوسف قرضاوی اور ڈاکٹر ابوزہرہ، پروفیسر عبدالوہاب خلاف کے نظریات کی پوری طرح تائید کرتا ہے۔''(۱)

حالانکہ یہ اصحاب اگرچہ آلاتِ تجارت کی بعض صورتوں پر وجوبِ زکوٰۃ کے قائل ہیں لیکن یہ آلاتِ تجارت اور سامانِ تجارت میں فرق ضرور کرتے ہیں۔ اس لئے مضمون نگار کو چاہئے تھا کہ وہ ان اصحاب کے نقطہ نظر کا بغور مطالعہ کر کے کوئی رائے دیتے۔ لیکن انہوں نے چونکہ ایک دو ثانوی مصادر سے سرسری استفادہ کے بعد اخذ و ترتیب سے کام لیا ہے، اس لئے نہ صرف یہ کہ پورا مضمون ہی خلطِ مبحث کا شکار دکھائی دیتا ہے بلکہ اس میں یہ بلند بانگ دعویٰ بھی ہے کہ:

''ان حضرات (آلاتِ تجارت پر عدمِ وجوب کے قائل،..... ناقل) کے پاس قرآن و سنت کی کوئی صریح دلیل نہیں ہے۔ اس کا سارا انحصار فقہا کی درج ذیل عبارت پر ہے جو حاجاتِ اصلیہ پر زکوٰۃ نہ ہونے سے متعلق ہے.....'' (ایضاً: ص۵۲)

حالانکہ مضمون نگار اگر بنیادی مصادر و مراجع کی طرف رجوع کرتے تو یقیناً اتنا بڑا

(۱) [دیکھئے: ماہنامہ 'ترجمان القرآن' (اگست ۲۰۰۳ء ص۵۳)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دعویٰ نہ کرتے۔ کیونکہ قرآن وسنت میں ایسے دلائل موجود ہیں جن سے آلاتِ تجارت پر عدمِ وجوبِ زکوٰۃ کی تائید حاصل ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں چار احادیث وآثار تو ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں۔ باقی رہی قرآنی دلیل تو وہ بھی پیش خدمت ہے:

﴿اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ﴾ (الکہف:۷۹)

''کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کاج کرتے تھے۔''

اس آیت میں یہ بات موجود ہے کہ دریائی کشتی جو یقیناً ایک قیمتی چیز تھی، کے مالک ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مسکین قرار دیا ہے اور مسکین بذاتِ خود مستحق زکوٰۃ ہوتا ہے۔ گویا کشتی جو ان لوگوں کے لئے آلہ تجارت تھی، اس پر اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی کوئی بات نہیں کی لہٰذا اسی طرح ہر آلہ تجارت زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار پائے گا خواہ وہ کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو۔ واضح رہے کہ دریا اور سمندر میں کام کرنے کے قابل درمیانے درجہ کی کشتی بھی انتہائی قیمتی ہوتی ہے اور خود ہمارے ایک دوست نے ایسی ہی معمولی کشتی ۱۵ لاکھ میں خریدی حالانکہ وہ تھی بھی استعمال شدہ۔

مجلّہ 'ترجمان القرآن' کی مناسبت سے یہاں یہ بات واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بانیٔ ترجمان؛ سید مودودیؒ کی رائے بھی اس مسئلہ میں وہی تھی جو جمہور فقہائے امت کی گذشتہ چودہ صدیوں سے چلی آ رہی ہے۔ چنانچہ سید مودودیؒ نے بعض لوگوں کے اعتراضات کے باوجود یہی رائے دی کہ

''کرایہ پر دی جانے والی اشیاء کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا تھا وہ مختصر تھا۔ اس لیے بات واضح نہ ہو سکی۔ میرا مدعا یہ ہے کہ جو لوگ فرنیچر یا موٹریں یا ایسی ہی دوسری چیزیں کرائے پر چلانے کا کاروبار کرتے ہیں ان کے کاروبار کی مالیت اس منافع کے لحاظ سے مشخص کرنی چاہیے جو اس کاروبار میں ان کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس فرنیچر یا ان موٹروں کی قیمت پر زکوٰۃ محسوب کی جائے جسے وہ کرائے پر چلاتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ یہ تو وہ آلات ہیں جن سے وہ کام کرتے ہیں اور آلات کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں لگتی۔ دراصل اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک کاروبار جو منافع دے رہا ہو اس کی بنا پر یہ رائے قائم کی جائے گی کہ اس قدر منافع دینے والے کاروبار کی مالیت کیا قرار پانی چاہیے۔ رہے کرایہ کے مکانات تو ان کے بارے میں مجھے بھی اس بنا پر تامل ہے کہ سلف سے ان پر زکوٰۃ لگائے جانے کا ثبوت نہیں ملتا۔

'الإبل العوامل' (کام کرنے والے اونٹوں) پر زکوٰۃ نہ لگنے کی وجہ وہی ہے جو میں نے پہلے بیان کی ہے کہ ایک آدمی جن آلات یا حیوانات کے ذریعے سے کام کرتا ہو، ان پر زکوٰۃ نہیں لگتی۔ مثلاً ہل چلانے والے بیل یا بار برداری کے جانور، ان پر زکوٰۃ مواشی عائد نہ ہوگی۔ اسی طرح ڈیری فارم کے جانوروں پر زکوٰۃ مویشی عائد نہ ہوگی، ان کی زکوٰۃ تو اس پیداوار پر زکوٰۃ لگنے کی صورت میں وصول ہو جاتی ہے جو ان کے ذریعہ سے حاصل کی گئی ہو۔ کرایہ پر چلانے جانے والے اونٹوں پر بھی عوامل کا اطلاق ہوتا ہے، اس لئے ان پر بھی زکوٰۃ مویشی عائد نہ ہونی چاہئے اور نہ ان کی مالیت پر زکوٰۃ لگنی چاہئے۔ بلکہ اس کرایہ کے کاروبار کی جو Good Will متشخص ہو، اس پر زکوٰۃ لگنی چاہئے۔"(۱)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر کرائے پر چلنے والے بڑے بڑے کمپلیکس، بسیں، جہاز اور قیمتی مشینری وغیرہ کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے تو پھر بہت سے لوگ زکوٰۃ سے بری ہو جائیں گے اور غربا کی حق تلفی ہوگی۔ حالانکہ یہ محض مفروضہ ہے، اس لئے کہ جس شخص کے آلات تجارت کروڑوں کی مالیت کے ہوں، اس کی آمدن بھی لاکھوں سے کم نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کی آمدن پر جب ہزاروں، لاکھوں روپیہ بطور زکوٰۃ نکل رہا ہے تو پھر اسے کسی ایسی تنگی میں مبتلا کرنے کی کیا ضرورت جو شریعت نے پیدا نہیں کی۔ بلکہ ایسے اصحاب ثروت اگر آمدن ہی کی زکوٰۃ نیت و خلوص سے ادا کرتے رہیں تو معاشی و معاشرتی سطح پر بہت بڑی مثبت تبدیلی رونما ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ!

(۱) [ترجمان القرآن: فروری ۱۹۶۲ء، رسائل و مسائل حصہ سوم (ص ۳۳۰)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ